مارچ 2026
قیمت: 200 روپے

www.monthlycrimebureau.com

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ

CRIME BUREAU

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

علی خامنہ‌ای کی شہادت نے امریکا اور اسرائیل کو شکست دیدی

ایران کے سب سے طاقتور شخص آیت اللہ خامنہ ای کون تھے؟

ان کی زندگی پر ایک نظر

علی خامنہ ای 1939ء میں ایران کے شہر مشہد میں ایک مقامی مذہبی رہنما، جواد خامنہ ای کے گھر میں پیدا ہوئے اور انہوں نے نسبتاً غربت میں پرورش پائی، وہ اپنے بھائی بہنوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔

انہوں نے مشہد میں ایک مدرسے میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عراق کے شہر نجف سے فقہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی جہاں وہ آیت اللہ خمینی کے طالب علم تھے۔

خامنہ ای کی شاعری میں دلچسپی ان کی عوامی شخصیت کا ایک معروف حصہ ہے، وہ اکثر اپنی تقریروں میں اشعار کا حوالہ دیتے تھے اور مشاعروں کی میزبانی کرتے تھے جہاں حکومت حامی شاعر اپنے اشعار پڑھنے اور ان کے تبصرے وصول کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔

مذہبی علما میں خامنہ ای کی ادب میں دلچسپی کافی نایاب ہے، باغبانی میں ان کی دلچسپی کا بھی یہی حال تھا۔

وہ ایرانی ریاست کے طاقت کے مراکز میں مرکزی حیثیت رکھنے کے لیے مشہور رہے، بطور رہبرِ اعلیٰ، خامنہ ای کو کسی بھی حکومتی معاملے میں ویٹو کی طاقت حاصل رہی، اس کے علاوہ ان کے پاس یہ اختیار تھا کہ وہ جس کو چاہیں، کسی بھی عوامی دفتر کے امیدوار کے طور پر منتخب کر سکتے تھے۔

ریاست کے سربراہ اور فوج کے کمانڈر ان چیف ہونے کے ناطے، وہ ایران کے سب کے طاقتور شخص کے طور پر جانے جاتے تھے۔

خامنہ ای بہت کم ایران سے باہر جاتے تھے اور مرکزی تہران میں واقع ایک کمپاؤنڈ میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ ایک سادہ زندگی گزارتے تھے۔

1960ء اور 1970ء کی دہائیوں میں خامنہ ای شاہ ایران کے خلاف مظاہروں میں شامل رہے اور وہ اس وقت جلاوطنی میں رہنے والے آیت اللہ روح اللہ خمینی کے کٹر حامی تھے۔

خامنہ ای کئی برسوں تک روپوش رہے اور انھیں جیل بھی کاٹنی پڑی، شاہِ ایران کی خفیہ پولیس نے انھیں 6 مرتبہ گرفتار کیا اور انھیں تشدد کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای خطے میں ایرانی اثر و رسوخ کو ایک خاص نام دیتے ہیں۔ وہ اسے 'مزاحمت کا جغرافیہ' قرار دیتے ہیں۔

1979ء کے انقلاب میں شاہ کا تختہ الٹے جانے کے بعد، ایران ایک اسلامی جمہوریہ بن گیا، خامنہ ای کو انقلاب کا انتظام سنبھالنے کے لیے قائم کی گئی اسلامی انقلابی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔

1981ء میں وہ 95 فیصد ووٹ حاصل کر کے اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر منتخب ہوئے، خامنہ ای 2 ماہ قبل قاتلانہ حملے کا نشانہ بنے تھے، جس کی وجہ سے وہ شدید زخمی ہو گئے تھے اور ان کا دایاں بازو ناکارہ ہو گیا تھا۔

عراق کے خلاف جنگ میں انہوں نے پاسداران انقلاب کی کمان بھی کی۔

1989ء میں خمینی کی وفات کے بعد خامنہ ای سپریم لیڈر بنے، انہیں اسلامی علما کے 88 رکنی ادارے، اسمبلی آف ایکسپرٹس نے نیا لیڈر نامزد کیا تھا۔

وہ صرف روحانی پیشوا نہیں ہیں بلکہ حکومت کی سمت کا تعین کرنے، مسلح افواج کی کمان اور عدلیہ کے سربراہ کی تقرری میں مشاورت تک ان کے فرائض میں شامل تھی۔

ایسوی ایٹڈ پریس کے مطابق اپنے دور میں خامنہ ای نے روایتی جنگ کی بجائے خطے میں 'مزاحمت کا محور' تشکیل دیا، جس میں لبنان میں حزب اللہ، یمن میں حوثی اور شام میں بشار الاسد کی حکومت شامل تھی، تاہم 2023ء میں اسرائیل پر حماس کے حملے کے بعد یہ محور بکھرنے لگا، اسرائیل نے حالیہ مہم میں حزب اللہ کی قیادت کو ختم کر دیا، جبکہ دسمبر 2024ء میں شام میں اسد حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔

خامنہ ای نے ملکی ایٹمی پروگرام کو تیزی سے آگے بڑھایا، جس پر امریکا اور اسرائیل سے مسلسل تصادم ہوا، 2018ء میں ٹرمپ کے ایٹمی معاہدے سے نکلنے کے بعد ایران نے یورینیم کی افزودگی ہتھیاروں کے درجے کے قریب تک پہنچا دی۔

اندرون ملک، سیاسی جبر اور معاشی بدحالی کے باعث خامنہ ای کو 1997ء، 2009ء، 2019ء اور 2022ء میں مہسا امینی کی موت پر بڑے پیمانے پر مظاہروں کا سامنا کرنا پڑا جنھیں سیکیورٹی فورسز نے انتہائی سختی سے کچل دیا۔

دسمبر 2025ء کے اواخر میں 9 کروڑ آبادی والے اس ملک میں دوبارہ شدید معاشی مظاہرے شروع ہوئے جس میں کھلے عام اسلامی جمہوریہ کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا۔

www.monthlycrimebureau.com

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ

CRIME BUREAU

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

جلد نمبر 06 | مارچ 2026ء | شمارہ نمبر 04

قیمت: 200 روپے

فرمان الہٰی

یقیناً زمین و آسمان کی تخلیق میں اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں کھلی نشانیاں ہیں ان ارباب دانش کیلئے جو کھڑے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

(آل عمران۔191-190)

فرمان مصطفیٰ ﷺ

تجارت میں جھوٹ بولنے والے اور عیب چھپانے والے کے کاروبار سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔

(بخاری 14/2، حدیث:2082)

فہرست

ایران کے سب سے طاقتور شخص آیت اللہ خامنہ ای کون تھے؟	02
ایران میں حکومت کی تبدیلی کی خواہش	05
ایران پر حملہ نائن الیون کے بعد عالمی تاریخ کا بڑا لمحہ	06
آبنائے ہرمز کی ممکنہ بندش سے پاکستانی معیشت پر کیا اثرات ہوں گے؟	07
اسرائیل سے زیادہ خلیجی ممالک پر میزائل حملے	08
اسکاٹ رٹر سابقہ امریکی انٹیلیجنس آفیسر کا ایران امریکہ جنگ پر تجزیہ	09
امریکی حملوں میں نشانہ بننے والی ایرانی شخصیات کون ہیں؟	10
خلیجی ممالک پر ایرانی حملوں کے دوران لوگوں نے کیا دیکھا	11-12
ایران جنگ: کوویڈ وبا کے بعد دنیا میں فضائی سروس کا بدترین بحران	13
مشرق وسطیٰ میں امریکی فوجی اڈے کہاں کہاں ہیں؟	14
کیا پوتن ذاتی خطرے کی وجہ سے اپنے 'دوستوں' کے زوال کا باعث بننے والوں کا نام نہیں لیتے؟	15
بحر ہند میں ایرانی جنگی جہاز کی تباہی پر انڈین اپوزیشن جماعتوں کی تنقید	16
ایران کے اتحادی روس اور چین اس کی مدد کیوں نہیں کر پا رہے؟	17-18
پیٹرول کا بم عوام پر، حکومتی عیاشیاں برقرار	19
کیا دبئی ایک محفوظ مقام ہونے کا درجہ کھو رہا ہے؟	20
ماہ رمضان کرنے کے کام	21
اپسٹین فائلز: طاقت کا جال	22-23
امریکہ اور اسرائیل کی ایران کے خلاف جنگ کی قانونی حیثیت کیا ہے؟	24-25
حیدرآباد پولیس کی کارکردگی پر بڑھتے سوالات	26
قارون کی دولت اور سزا کا واقعہ ابراہیمی مذاہب میں	27-28

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائدآباد ملیر سے شائع کیا

monthlycrimebureau@gmail.com
crimebeauru@gmail.com

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل ناچ

مجلس ادارت:

نیاز کھوکھر، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیر قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسد اللہ خان، طارق پٹھان

انچارج انوسٹی گیشن ٹیم: زاہد شاہ

چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)

کرائم رپورٹرز:

عمیر خان، عمران شاہد، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، محمد احسن، محمد آصف نعمان صافی، سلطان چاکی سومرو احسن کندی (فیصل آباد)

چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی

بیورو چیف:

نوید میو (اسلام آباد) سعدیہ حق (لاہور)

چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدرآباد)

ڈسٹرکٹ رپورٹرز:

ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (پنو عاقل)

آفتاب سردان (ٹھٹھہ) ساجد علی شاہ (چنیوٹ)

انچارج سندھ ڈیسک: انعام شاہ

اسپیشل رپورٹر: راؤ عدنان

قانونی مشیران: امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ

امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کر چکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔

کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدرآباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل ہونے اور میگزین کا حصہ بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: **0300 2056305**

ایران میں حکومت کی تبدیلی کی خواہش

ایسا جوا جو امریکہ میں ٹرمپ کی ساکھ کو متاثر اور حامیوں کو ناراض کر سکتا ہے

ایران پر حملہ اور رہبرِ اعلیٰ کو ہلاک کر کے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ایک بہت بڑا داؤ کھیلا ہے کہ وہ امریکی فوجی طاقت کے ذریعے مشرق وسطیٰ کو نئی شکل دے پائیں گے۔ یہ وہ معاملہ ہے جس میں امریکہ کے سابق صدور ناکام رہے ہیں۔

اگر امریکہ صرف فضائی طاقت کے ذریعے ایران کی جوہری طاقت کو مکمل تباہ کر دیتا ہے اور تہران میں حکومت تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ٹرمپ اسے ایک تاریخی کامیابی قرار دیں گے۔ چاہے واشنگٹن کے پاس اس کے بعد کا کوئی لائحہ عمل نہ بھی ہو۔

پینٹاگون نے اسے آپریشن ایپک فیوری کا نام دیا ہے۔ اگر یہ فوجی حملہ ناکام ہوتا ہے یا خطے میں بڑے پیمانے پر ایسی آگ بھڑکا دیتا ہے جس میں رہنا طویل عرصے تک شامل رہنا امریکہ کی مجبوری بن جائے تو اس سے نہ صرف ٹرمپ کی سیاسی ساکھ کو نقصان پہنچ سکتا ہے بلکہ نومبر کے وسط مدتی انتخابات میں کانگریس پر ریپبلکنز کے کنٹرول کے امکانات بھی کم ہو سکتے ہیں۔

سنیچر کی صبح ایران میں فوجی کارروائی شروع کرنے کا اعلان کرتے ہوئے امریکی صدر نے اشارہ دیا تھا کہ اس معاملے پر کتنا کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔

ٹرمپ نے کہا تھا: 'امریکی ہیروز کی جانیں جا سکتی ہیں۔' ان کی دلیل تھی کہ ایرانی حکومت کو نقصان پہنچانے کے لیے یہ قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔ وہ حکومت، ٹرمپ کے مطابق، جس نے سنہ 1979 میں اقتدار میں آنے کے بعد سے مشرق وسطیٰ میں انتشار پھیلا رکھا ہے۔

ٹرمپ نے کہا تھا کہ '47 سال سے ایرانی حکومت امریکہ مردہ باد کے نعرے لگا رہی ہے۔ ہم یہ مزید برداشت نہیں کریں گے۔'

دنیا یہ دیکھنے کی منتظر ہے کہ اپنے رہبرِ اعلیٰ کی ہلاکت پر ایرانی حکومت کا ردعمل کیا ہوگا۔ لیکن ابھی یہ دیکھنا بھی باقی ہے کہ ٹرمپ ایک طویل المدتی عسکری مہم سے بچ پاتے ہیں یا نہیں۔

امریکہ کے جو شہری اپنے ملک کی بیرون ملک مداخلت کے خلاف ہیں، خاص طور پر وہ جو ٹرمپ کے امریکہ کو دوبارہ عظیم بنانے والے نظریے کے حامی ہیں، کیا ڈونلڈ ٹرمپ انھیں مشرق وسطیٰ میں ایک اور مداخلت پر قائل کر پائیں گے؟

یہ عمل ٹرمپ کے اپنے ملک میں ان کے حامیوں کو بدظن کر سکتا ہے، ایسے وقت میں جب مہنگائی اور دیگر اندرونی مسائل کی وجہ سے ان کی مقبولیت کم ہو رہی ہے۔

حالیہ ہفتوں میں ٹرمپ انتظامیہ کے کئی سینیئر اہلکاروں نے ایران میں بڑے فوجی آپریشن پر تحفظات ظاہر کیے تھے۔ یہ بات ٹرمپ کی پہلی مدت صدارت میں ان کے ساتھ کام کرنے والے سابق سینیئر اہلکار نے بتائی۔

یہ سینیئر اہلکار اب بھی ٹرمپ کی ٹیم کے قریب ہیں اور اہم پالیسی معاملات کا علم رکھتے ہیں۔

جب ٹرمپ نے سرعام ایران پر حملے کی دھمکی دی اور مشرق وسطیٰ میں امریکی فوج کی موجودگی بڑھانے کا حکم دیا تو یہ اختلافات نجی طور پر سامنے آئے تھے۔

حملے کا فیصلہ کرنے اور کئی ہفتوں سے جاری قیاس آرائیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد سنیچر کے روز ٹرمپ نے اپنے مشن پر اعتماد کا ظاہر کیا۔ لیکن ساتھ ہی انھوں نے ایسے مبہم اشارے بھی دیے جن سے امریکی جنگی مقاصد کے بارے میں نئے سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔

انھوں نے ایکزیوس کو بتایا: 'میں طویل جنگ بھی لڑ سکتا ہوں اور پورے ملک پر قبضہ بھی کر سکتا ہوں یا اسے دو سے تین دن میں ختم کر کے مزید حملوں کی دھمکی برقرار رکھ سکتا ہوں۔'

بعد میں انھوں نے سوشل میڈیا پر کہا کہ 'درست اہداف پر بھاری بمباری بلاتعطل جاری رہے گی، پورا ہفتہ، یا جتنی دیر بھی ضروری ہوا۔'

ان بیانات نے ناقدین کے اس مؤقف کو تقویت دی ہے کہ ٹرمپ کی خارجہ پالیسی کی کوئی سمت نہیں اور وہ بڑے فوجی حملوں سے پہلے کانگریس اور عوام کو اعتماد میں لینے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

تاہم ان کے حامیوں کے مطابق یہی غیر روایتی انداز ان کے لیے غزہ میں جنگ بند کروانے اور نیٹو کے لیے یورپ کے مالی تعاون بڑھانے جیسی کامیابیاں دلانے میں مدد گار رہا ہے۔

ٹرمپ نے پہلے سے امریکی عوام کو یہ سمجھانے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی کہ ایران کے ساتھ جنگ شروع کرنا ان کے مفاد میں کیوں ہے۔ صدر چاہتے تو گذشتہ ہفتے اپنے سٹیٹ آف دی یونین خطاب میں دلائل پیش کر سکتے تھے، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا۔

صدر نے کانگریس کی منظوری لیے بغیر ہی فوجی مہم کا آغاز کر دیا۔ تاہم سنیچر کے روز زیادہ تر ریپبلکن رہنماؤں نے اس کارروائی کی حمایت کی۔

سپیکر مائیک جانسن نے ایک بیان میں کہا: 'ایران اپنے برے اقدامات کے سنگین نتائج کا سامنا کر رہا ہے۔ ایرانی حکومت کے جوہری عزائم، دہشت گردی اور اپنے عوام کے ساتھ ساتھ امریکیوں کے قتل کا راستہ روکنے کے لیے صدر ٹرمپ اور ان کی انتظامیہ پرامن اور سفارتی کوششیں کرتی رہی۔'

.......................(باقی صفحہ نمبر 18 پر)

ایران پر حملہ نائن الیون کے بعد عالمی تاریخ کا بڑا لمحہ

مشہور مورخ پیٹر فرینکوپین کہتے ہیں کہ تاریخ کا پہیہ گھوم رہا ہے، اور دیوارِ برلن یا ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے گرنے کے بعد سے میں نے دنیا کو اتنی تیز رفتاری سے مکمل طور پر بدلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

واقعات کی اہمیت کا عین اسی وقت اندازہ لگانا ہمیشہ مشکل، اور شاید غلط بھی ہوتا ہے۔

یقیناً تاریخ ہمیں سانس لینے کا ایک ایسا آرام دہ موقع فراہم کرتی ہے جس سے ہم ہمیں چیزوں کو سکون کے ساتھ سیاق وسباق میں رکھ سکتے ہیں، اور ہم ایسے فیصلوں میں جلد بازی کے چیلنجوں سے آزاد ہو جاتے ہیں جو وقت کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتے۔

میری زندگی میں تین بار ایسا ہوا ہے جب میں نے فوری طور پر سمجھ لیا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، اس کے رونما ہونے کے ساتھ ہی اس کی انتہائی زیادہ اہمیت ہے۔ پہلا موقع نو نومبر 1989 کی شام کا تھا، جب برلن میں سرحدی راستے کھلنے کی خبر پر ہجوم جمع ہو گیا، اور اس رات دیوار گرنا شروع ہو گئی۔

دوسرا موقع یقیناً 11 ستمبر 2001 کا تھا، جب ہم سب نے چار مسافر طیاروں کی منظم ہائی جیکنگ کے بعد جو کچھ ہوتے دیکھا، تو یہ واضح ہو گیا تھا کہ دنیا ہمیشہ کے لیے بدلنے والی ہے۔

اس کے بعد سے بہت سے ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں جو اہم، خوفناک یا دونوں طرح کے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر، سات اکتوبر کے حماس کے حملوں کو مشرقِ وسطیٰ کی تشکیلِ نو میں ایک کلیدی لمحے کے طور پر دیکھا جائے گا۔

لیکن اس اختتامِ ہفتہ پر ہم نے جو کچھ دیکھا ہے، میری رائے میں کم از کم یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے نتائج اور اثرات ان دو دنوں کو گذشتہ چوتھائی صدی کے سب سے اہم دن بناتے ہیں۔

صرف ایران کے رہبرِ اعلیٰ علی خامنہ ای نہیں، بلکہ ملک کی سینیئر قیادت کی ایک بڑی تعداد کی موت نے ریاست کو ایک تباہ کن دھچکہ پہنچایا ہے۔ کسی غیر ملکی طاقت کے ہاتھوں کسی برسرِ اقتدار سربراہِ مملکت کا قتل جدید دور میں ایک غیر معمولی مثال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کا ایران پر حملہ کرنے کا فیصلہ مجبوری کے بجائے ان کی اپنی مرضی تھی، اس فیصلے نے اس عالمی نظام کو مزید تباہ کر دیا ہے جس نے، اگرچہ نامکمل سہی، دہائیوں تک بین الاقوامی قانون کے ڈھانچے کی کم از کم ایک جھلک فراہم کیے رکھی تھی۔

2003 میں عراق میں ایک ایسی مداخلت کے دوران جو انتہائی خامیوں سے بھری ثابت ہوئی، صدر جارج ڈبلیو بش کی انتظامیہ نے اقوامِ متحدہ میں اپنا مقدمہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سینیٹ سے منظوری طلب کی، اس نے شراکت داروں کے ساتھ اتحاد کا ایک نیٹ ورک بنانے کے لیے کام کیا۔ صدر ٹرمپ نے ان میں سے کسی چیز کی زحمت نہیں کی۔ اس کے بجائے، وہ سفارتی حل کے انتظار سے تنگ آ گئے۔

سنیچر کی صبح سویرے 'بڑے جنگی آپریشنز' کے آغاز کا اعلان کرتے ہوئے انہوں نے کہا، 'ہم نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ جوہری ہتھیاروں کے حصول کی اپنی مذموم کوششیں کبھی دوبارہ شروع نہ کریں۔ ہم نے بار بار معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے کوشش کی۔ وہ ایسا کرنا چاہتے تھے۔ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایسا کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ صرف برائی کرنا چاہتے تھے۔' تو بات یہ تھی۔ ان کا صبر جواب دے چکا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا، 'ہم مزید برداشت نہیں کر سکتے۔'

اس کے بعد کے گھنٹوں میں ایران کی سیاسی، مذہبی اور فوجی قیادت کا خاتمہ اور اس کی چین آف کمانڈ کی بنیادی تباہی دیکھنے میں آئی۔ جو لوگ زندہ بچ گئے ہیں انہوں نے دوبارہ منظم ہو کر ایک عبوری لیڈر شپ کونسل کا اعلان کیا ہے تاکہ نئے رہبرِ اعلیٰ کے انتخاب تک ملک کو چلانے کی کوشش کی جا سکے۔ ان کی ایک ہی ترجیح ہے، اور وہ صرف ایک ترجیح یہ ہے: حکومت کی بقا۔

اب تک کا اندازہ یہ ہے کہ ایسا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہو گا کہ نہ صرف اسرائیل اور امریکی فوجی اڈوں پر، بلکہ خلیجی خطے کے تمام ممالک پر بھی افراتفری پھیلائی جائے، غالباً اس امید پر کہ وہ ٹرمپ اور اسرائیل کے وزیرِ اعظم بن یامین نتن یاہو پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔

امریکی حملوں میں نشانہ بننے والی ایرانی شخصیات کون ہیں؟

یہ نقطہ نظر ان لوگوں کو بہت برا لگا ہے جو ایران اور امریکہ کے درمیان ثالثی کی کوشش کر رہے تھے۔ انتہائی تجربہ کار اور وسیع تعلقات رکھنے والے اماراتی سفارت کار انور گرگاش نے تہران کو یاد دلایا کہ 'آپ کی جنگ آپ کے پڑوسیوں کے ساتھ نہیں ہے'، بلکہ یہ بھی کہا کہ 'اس کشیدگی کے ذریعے، آپ ان لوگوں کے بیانیے کی تصدیق کرتے ہیں جو ایران کو خطے میں خطرے کا بنیادی ذریعہ اور اس کے میزائل پروگرام کو عدم استحکام کا مستقل ذریعہ سمجھتے ہیں۔'

ایران کے پڑوسیوں پر میزائلوں اور ڈرونز سے حملے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جنگ کی دھند میں قیادت کی معلومات اکٹھا کرنے، رابطے کے ذرائع اور آپریشنل تاثیر تقریباً ختم ہو چکی ہے، جو کہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کے وزیرِ خارجہ عباس عراقچی عمان اور دیگر ممالک کو معذرت خواہانہ اور تسلی بخش کالز کرنے میں مصروف ہیں، جن میں انہوں نے وضاحت کی ہے کہ ایران کے 'فوجی یونٹس اب درحقیقت آزاد اور کسی حد تک الگ تھلگ ہیں، اور وہ پہلے سے دی گئی عمومی ہدایات کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں۔'

یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو بھی پیغامات بھیجے گئے ہیں، اور ٹرمپ نے اتوار کو دعویٰ کیا کہ 'وہ (ایران) بات کرنا چاہتے ہیں، اور میں نے بات کرنے پر اتفاق کیا ہے، اس لیے میں ان سے بات کروں گا۔'

وہ کیا کہیں گے، یا کیا پیشکش کریں گے، یہ واضح نہیں ہے۔ لیکن ایک بات واضح ہے: یہ وہ لمحہ ہے جس میں تاریخ کا عظیم پہیہ گھوم رہا ہے۔ دو ہفتے قبل، امریکی وزیرِ خارجہ مارکو روبیو نے اعلان کیا تھا کہ 'دنیا ہمارے سامنے بہت تیزی سے بدل رہی ہے۔ پرانی دنیا ختم ہو چکی ہے۔'

ہو سکتا ہے آپ کو یہ سننا پسند نہ آئے، نہ ہی وہ وجوہات پسند آئیں جن کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، اور نہ ہی یہ پسند آئے کہ آگے کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے اختلاف کرنا مشکل ہے۔

آبنائے ہرمز کی ممکنہ بندش سے پاکستانی معیشت پر کیا اثرات ہوں گے؟

اس مصروف تجارتی آبی گزرگاہ کے ذریعے روزانہ دنیا کے تیل کا 20 فیصد حصہ اور قدرتی مائع گیس (ایل این جی) کا 30 فیصد حصہ گزرتا ہے

امریکہ اور اسرائیل کے ایران پر حملوں کے بعد تہران نے اہم سمندری گزرگاہ آبنائے ہرمز کو بند کرنے کے اعلان کیا تھا جس نے دنیا میں تشویش کی لہر دوڑا دی ہے کیونکہ یہاں سے بڑی مقدار میں تیل اور تجارتی سامان دنیا کے مختلف ملکوں سے آتا اور کو جاتا ہے۔

اس مصروف تجارتی آبی گزرگاہ کی بندش کے اثرات دنیا کے بیشتر ممالک پر ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے روزانہ دنیا کے تیل کا 20 فیصد حصہ اور قدرتی مائع گیس (ایل این جی) کا 30 فیصد حصہ گزرتا ہے۔

امریکہ کے توانائی کے ادارے اینرجی انفارمیشن ایڈمنسٹریشن (ای آئی اے) کے مطابق اس بحری راہداری سے ہر سال 600 ارب ڈالر کا سامان گزرتا ہے۔ اگر یہ لمبے عرصے کے لیے بند ہو گئی تو عالمی معیشت پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔

ایران پر امریکہ اور اسرائیل کے مشترکہ حملوں کے بعد پاسدارانِ انقلاب نے اہم سمندری گزرگاہ آبنائے ہرمز کو بند کرنے کا اعلان کرتے ہوئے تمام بحری جہازوں کو متنبہ کیا تھا کہ وہ علاقہ چھوڑ دیں۔

ماہرین خبردار کر رہے ہیں کہ اگر کسی بھی وجہ سے یہ گزرگاہ بند رہتی ہے تو نہ صرف عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں شدید اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ توانائی پر انحصار کرنے والے ممالک کو فوری بحران کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔

اس تمام معاملے پر پاکستان سٹاک ایکسچینج کے ڈائریکٹر احمد چنائے نے انڈیپینڈنٹ اردو سے گفتگو میں بتایا کہ 'آبنائے ہرمز کی ممکنہ بندش نہ صرف خطے بلکہ پوری دنیا کی معیشت کے لیے شدید خطرات پیدا کر سکتی ہے۔'

احمد چنائے کہتے ہیں کہ 'یہی وجہ ہے کہ اگر ایران اس اہم گزرگاہ کو بند کر دیتا ہے تو عالمی منڈی میں تیل کی سپلائی فوری طور پر متاثر ہو گی اور قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آ سکتا ہے۔'

احمد چنائے نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس صورتحال کا سب سے بڑا اثر ان ممالک پر پڑے گا جو خلیجی ریاستوں سے تیل درآمد کرتے ہیں۔

'پاکستان بھی انہی ملکوں میں شامل ہے کیونکہ اس کی تقریباً 90 فیصد تیل کی درآمدات اسی راستے سے آتی ہیں۔ پاکستان کے بڑے سپلائرز میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور قطر شامل ہیں اور ان سب کی برآمدات بڑی حد تک آبنائے ہرمز سے ہو کر گزرتی ہیں۔'

احمد چنائے کا کہنا تھا کہ 'سعودی عرب کی تقریباً 80 سے 90 فیصد آئل ایکسپورٹس بھی اسی راستے سے گزرتی ہیں، جبکہ محدود مقدار متبادل پائپ لائنز یا دیگر روٹس کے ذریعے بھیجی جاتی ہیں۔ اس لیے بندش کی صورت میں سعودی معیشت بھی دباؤ میں آ سکتی ہے۔'

اسی تناظر میں انہوں نے کہا کہ 'اگر عالمی منڈی میں تیل کی قیمت 60 ڈالر فی بیرل سے بڑھ کر 110 یا 120 ڈالر تک پہنچ جاتی ہے تو پاکستان میں مہنگائی کا شدید طوفان آ سکتا ہے۔ ایندھن مہنگا ہونے سے نہ صرف ٹرانسپورٹ کے اخراجات بڑھیں گے بلکہ صنعتی لاگت میں بھی اضافہ ہو گا، جس کے نتیجے میں برآمدات متاثر ہوں گی اور پاکستان کی عالمی منڈی میں مسابقتی صلاحیت کمزور پڑ سکتی ہے۔

'مزید یہ کہ متبادل راستوں سے تیل کی ترسیل ممکن تو ہے لیکن بھاری فریٹ اور کنٹینر چارجز اسے معاشی طور پر کم قابلِ عمل بنا سکتے ہیں۔'

احمد چنائے نے افغانستان کے تناظر میں بھی خدشات کا اظہار کیا اور کہا کہ 'پاکستان اور افغانستان کے درمیان سکیورٹی مسائل اور دہشت گردی کے واقعات پہلے ہی خطے میں غیر یقینی صورتحال پیدا کر رہے ہیں۔ اگر توانائی بحران بھی اس میں شامل ہو گیا تو اس کے معاشی اور سلامتی سے متعلق اثرات مزید گہرے ہو سکتے ہیں، کیونکہ موجودہ دور میں ہر شعبے کا دار و مدار ایندھن اور توانائی پر ہے۔'

دوسری جانب انہوں نے ایل این جی کے حوالے سے کہا کہ 'اگرچہ قطر کے ساتھ پاکستان کے معاہدے موجود ہیں، تاہم اس وقت ملک میں گیس کی پیداوار اور طلب کے درمیان کسی حد تک توازن پایا جاتا ہے اور ایل این جی کی آمد بعض اوقات ضرورت سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر عارضی طور پر ایل این جی کی سپلائی متاثر ہوتی ہے تو یہ فوری طور پر بڑے بحران کا سبب نہیں بنے گی۔'

ان کے مطابق موجودہ صورتحال طویل عرصے تک برقرار نہیں رہ سکتی کیونکہ اس سے عالمی معیشت کو بھاری نقصان ہو گا۔ فضائی حدود کی بندش سے بیرونِ ملک پھنسے پاکستانیوں کے مسائل بڑھیں گے اور تجارتی سرگرمیاں مفلوج ہو سکتی ہیں۔

'لہٰذا تمام متعلقہ ممالک کو سنجیدہ سفارتی کوششوں کے ذریعے کشیدگی کم کر کے عالمی اور علاقائی معیشت کو استحکام دینا ہو گا۔'

کیا ایران آبنائے ہرمز بند کر سکتا ہے؟

سٹاک مارکیٹ ماہر اور ٹریڈر جاوید ختانی نے آبنائے ہرمز کے راستوں کی ممکنہ بندش کو پاکستان کی معیشت کے لیے بڑا نقصان کا باعث قرار دیتے ہوئے کہا کہ 'اس صورت حال کے اثرات صرف تیل کی قیمتوں تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں، تقسیم کار اداروں اور مجموعی صنعتی ڈھانچے پر بھی پڑیں گے، کیونکہ توانائی ہر شعبے کی بنیادی ضرورت ہے۔'

انہوں نے کہا کہ کووڈ کے دوران بھی ترسیلی نظام میں رکاوٹ آئی تھی، تاہم موجودہ صورت حال زیادہ پیچیدہ ہو سکتی ہے، خصوصاً اگر فضائی حدود اور بحری راستے طویل عرصے تک بند رہتے ہیں۔'

ماہرین کے مطابق پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جو تیل اور گیس کی درآمدات کے لیے خلیجی ممالک پر انحصار کرتے ہیں، اس لیے اس پیش رفت کے گہرے اثرات سامنے آ سکتے ہیں۔

آبنائے میں جہازوں کی گزرگاہ والا علاقہ ایرانی سمندر میں نہیں بلکہ عمان کے پانیوں میں واقع ہے۔ البتہ ایرانی بحریہ یہاں کوئی کارروائی کرے تو اس سے کمرشل جہازوں کی آمد و رفت بند ہو جائے گی۔

ایران ایک عرصے سے کہتا چلا آیا ہے کہ اگر اس پر حملہ ہوا تو وہ اس آبنائے کو بند کر دے گا۔

اسرائیل سے زیادہ خلیجی ممالک پر میزائل حملے

حالیہ جنگ میں ایران کی دفاعی صلاحیت اور حکمت عملی میں کیا تبدیلی آئی؟

بی بی سی عربی کے جائزے کے مطابق ایران نے گذشتہ سال اسرائیل کے خلاف 12 روزہ جنگ کے مقابلے اس حالیہ جنگ کے دوران خلیجی خطے کی جانب زیادہ میزائل داغے ہیں۔

سعودی عرب، قطر، متحدہ عرب امارات، بحرین اور کویت کی جانب سے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق 28 فروری سے 4 مارچ تک خلیجی ملکوں پر داغے گئے میزائلوں کی تعداد 550 سے زیادہ ہے۔

عمان نے اپنی سرزمین پر میزائل اور ڈرون حملوں کی تعداد نہیں بتائی۔

دوسری جانب واشنگٹن اور اسرائیل نے ایران پر ہزاروں بم گرائے ہیں۔

ایران کی دفاعی صلاحیتوں میں بیلسٹک، کروز اور ہائپر سونک میزائل شامل ہیں اور اس کے پاس ڈرونز بھی ہیں مگر بظاہر اس نے اسرائیل اور خلیجی ممالک کے خلاف حملوں کی حکمت عملی تبدیل کی۔

توہمیں ان میزائلوں کے بارے میں کیا معلوم ہے؟ اسرائیل کے خلاف گذشتہ جنگ کے مقابلے اس بار کیا مختلف ہے اور ایران اپنے ہتھیاروں پر کس حد تک انحصار کر سکتا ہے؟

ہمیں ان میزائلوں کے بارے میں کیا معلوم ہے؟

ایران کے پاس کم اور درمیانے فاصلے تک مار کرنے والے میزائل موجود ہیں۔ فاؤنڈیشن فار ڈیفنس آف ڈیموکریسیز کے مطابق ایران کے کم فاصلے تک مار کرنے والے میزائلوں کی رینج 300 سے ایک ہزار کلومیٹر تک ہے۔

خلیجی ممالک سمیت کئی پڑوسی ان میزائلوں کی رینج میں آتے ہیں۔ درمیانے فاصلے تک مار کرنے والے میزائلوں کی رینج ایک ہزار سے دو ہزار کلومیٹر ہے اور یہ اسرائیل پہنچ سکتے ہیں۔

ایرانی میزائلوں کی رینج

ایران کا سب سے اہم ہتھیار بیلسٹک میزائل ہیں جو زیادہ اونچائی تک پہنچ سکتے ہیں اور وہاں سے کمان کی طرز پر اہداف کا تعاقب کر سکتے ہیں۔

فاؤنڈیشن فار ڈیفنس آف ڈیموکریسیز کے مطابق تہران تباہی مچانے کے لیے اپنے بیلسٹک میزائلوں کو سب سے طاقتور ہتھیار سمجھتا ہے جو کہ اس کی فضائی قوت کا متبادل ہیں۔ پابندیوں کی وجہ سے اسے ہتھیاروں کی روایتی منڈیوں تک رسائی نہیں جس کی وجہ سے اس کی فضائی قوت کمزور ہے۔

کروز اور ہائپر سونک میزائل کم اونچائی پر اڑتے ہیں اور انھیں اہداف تک پہنچنے کے لیے ایئر پاور انجن (جیٹ یا پروپیلر) کی مدد درکار ہوتی ہے۔

ایرانی میزائلوں کے استعمال کی حکمت عملی کیسے تبدیل ہوئی

ایران اس وقت اپنے میزائل اسرائیل اور خلیجی ممالک دونوں کی طرف داغ رہا ہے۔ یہ سابقہ جنگ کے برعکس ہے۔ اس سے قبل تہران نے خلیجی ممالک میں صرف قطر کے العدید اڈے پر حملہ کیا تھا۔

امریکی پالیسی ریسرچ سینٹر امریکن انٹرپرائز انسٹیٹیوٹ کے تحت چلنے والے کریٹیکل تھریٹس پروجیکٹ کے مطابق جنگ کے پہلے چار دن میں ایران نے اسرائیل پر میزائل حملوں کی تقریباً 36 لہریں برسائیں۔ پہلے دن سب سے زیادہ 20 لہریں داغی گئیں۔ ہر لہر میں اوسطاً دو سے تین میزائل شامل تھے۔

لیکن دوسرے دن سے رجحان بدل گیا۔ روزانہ کی لہریں کم ہو کر دوسرے دن چار جبکہ تیسرے اور چوتھے دن چھ لہریں رہ گئیں۔

اسی دوران اسرائیل کی جانب فائر کی گئی ہر لہر میں میزائلوں کی اوسط تعداد بڑھ کر دوسرے دن 9 سے 30 کے درمیان پہنچ گئی۔

تل ابیب یونیورسٹی سے منسلک انسٹیٹیوٹ فار نیشنل سکیورٹی سٹڈیز کا اندازہ ہے کہ 4 مارچ تک جنگ کے آغاز سے ایران نے اسرائیل پر 128 میزائل داغے ہیں۔

اسرائیلی حکام کے مطابق جمعرات کی صبح تک ان حملوں میں 10 اسرائیلی ہلاک ہوئے مگر کسی فوجی کو جانی نقصان نہیں پہنچا۔

ایران نے اپنے میزائلوں کی صحیح تعداد ظاہر نہیں کی مگر پاسدارانِ انقلاب کے مطابق 4 مارچ کی دوپہر تک، جو جنگ کا پانچواں دن تھا، امریکہ اور اسرائیل پر میزائلوں کی 17 لہریں فائر کی گئیں۔

اسرائیلی تخمینوں کے مطابق موجودہ اور پچھلی جنگوں کے دوران ایران اپنے تقریباً آدھے میزائل لانچ پلیٹ فارمز کھو چکا۔

کریٹیکل تھریٹس پروجیکٹ کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر نکولس کارل کے مطابق اس سے میزائل یونٹس کے درمیان ہم آہنگی کمزور ہوئی اور انھیں روکنا آسان ہوا۔

وہ بی بی سی کو بتاتے ہیں کہ 'امریکہ اور اسرائیل وہ ٹیمیں نشانہ بنا رہے ہیں جو لانچنگ کر رہی ہوتی ہیں، یا تو فائرنگ کے وقت یا اُس سے پہلے۔'

اگرچہ یہ کہنا ممکن نہیں کہ کتنے پلیٹ فارم ابھی بھی فعال ہیں تاہم کارل کے مطابق وہ زیادہ نہیں 'جس سے ایران کے ایک وقت میں فائر کیے جانے والے میزائلوں کی تعداد محدود ہوئی۔'

تاہم ان کے خیال میں اس سے اسرائیل کے لیے ایرانی میزائلوں کا خطرہ کم نہیں ہوتا۔ البتہ ایران کے لیے ان حملوں کی مؤثر ہم آہنگی ایک بڑا چیلنج بن چکی ہے۔

ایران نے خلیجی ممالک پر زیادہ میزائل برسائے

ایران نے اُن اہداف پر حملے بڑھا دیے ہیں جنھیں وہ 'خلیجی ممالک میں امریکی اڈے' قرار دیتا ہے۔

بی بی سی نے متحدہ عرب امارات، بحرین، کویت، قطر اور سعودی عرب کی وزارتِ دفاع کے اعداد و شمار کی بنیاد پر حساب لگایا ہے کہ چار دن میں ایران نے خلیجی ممالک پر 551 میزائل فائر کیے۔ یہ تعداد پچھلی جنگ کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اس وقت ایران نے 12 دن میں اسرائیل پر تقریباً 500 میزائل داغے تھے۔

ان ممالک نے ایرانی حملوں کو اپنی خودمختاری پر ناقابلِ قبول حملہ قرار دیا اور ان کے مطابق ایرانی حملوں میں شہری تنصیبات کو بھی نشانہ بنایا گیا۔

ان حملوں میں بحرین، کویت اور امارات میں سات افراد ہلاک ہوئے جبکہ عمان کے ساحل کے قریب ایک آئل ٹینکر پر بھی ایک شخص مارا گیا۔ عراق اور شام میں بھی ہلاکتیں ہوئیں۔

خلیجی ممالک نے ابھی تک ایران کے خلاف کوئی عسکری کارروائی نہیں کی بلکہ دفاعی اقدامات اور سفارتی دباؤ پر توجہ دی ہے۔

یہ تبدیلی کیوں آئی؟

نکولس کارل کے مطابق خلیجی ممالک کو نشانہ بنانے کے فیصلے نے ایران کو ایسے ہتھیار استعمال کرنے کا موقع دیا ہے جو پچھلی لڑائی میں قابلِ استعمال نہیں تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ گذشتہ سال جون میں 'ایران صرف وہی ہتھیار استعمال کر رہا تھا جو اسرائیل تک پہنچ سکتا ہے۔ اب وہ کم رینج والے میزائل بھی استعمال کر سکتا ہے یعنی وہ تمام پلیٹ فارم جو پچھلے سال کارآمد نہیں تھے اب دستیاب ہیں۔'

ایران شاہد ڈرونز کا استعمال بھی جاری رکھے ہوئے ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس اب بھی کئی فعال نظام موجود ہیں۔

امریکی جنرل ڈین کین کے مطابق جنگ کے پہلے دن کے مقابلے میں ایرانی بیلسٹک میزائل حملوں میں 86 فیصد کمی آئی۔ گذشتہ روز کے بیان کے مطابق سینٹکام کا کہنا تھا کہ پچھلے 24 گھنٹوں میں یہ کمی 23 فیصد رہی۔

ڈرونز پر زیادہ انحصار

بی بی سی کے تجزیے کے مطابق خلیج پر ایران کے حملوں میں میزائل کے مقابلے میں ڈرونز کا استعمال کہیں زیادہ ہے۔ 4 مارچ کی دوپہر تک خلیجی ممالک پر 1493 ڈرونز اور 551 میزائل داغے گئے۔

...............................(باقی صفحہ نمبر 28 پر)

اسکاٹ رٹر سابقہ امریکی انٹیلیجنس آفیسر کا ایران امریکہ جنگ پر تجزیہ

صحافی کا سوال

میں تو صرف ایک کم عمر سپاہی تھا، جبکہ آپ ایک اہم فوجی افسر رہے ہیں۔ دنیا میں جنگ اور عسکری معاملات کو آپ سے بہتر شاید ہی کوئی سمجھتا ہو۔
لہٰذا ہمیں بتائیے کہ ایرانی ردِعمل کس حد تک کامیاب جا رہا ہے؟

سکاٹ رٹر کا جواب

مجھے اگرچہ میں مکمل معلومات نہیں رکھتا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایران حقیقتاً بہت اچھا کارکردگی دکھا رہا ہے۔ ہمارے پاس نہ تو ان اہداف کی مکمل معلومات ہیں جنہیں نشانہ بنایا گیا، نہ داغے گئے میزائلوں کی درست تعداد معلوم ہے، اور نہ ہی ایرانی جنگی منصوبہ ہمارے سامنے ہے۔

لیکن جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ اسی بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ایرانی غیر معمولی طور پر موثر انداز میں جنگ لڑ رہے ہیں۔

ہمیں میزائل حملوں اور ان کی روک تھام (interceptions) کا جائزہ لیتے وقت احتیاط کرنی چاہیے۔ قطر سے آنے والے بعض اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ دفاعی نظام کافی کامیاب رہے ہیں، مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایران کے جنگ لڑنے کے طریقے کو نہیں سمجھتے۔

ایران کے زیادہ تر میزائل دراصل نشانہ لگانے کیلئے نہیں بلکہ روکے جانے کیلئے داغے جاتے ہیں۔

ان کا مقصد دشمن کے دفاعی میزائل ختم کروانا ہوتا ہے۔

بہت سے میزائل دشمن کے ریڈار اور اینٹی بیلسٹک دفاعی نظام کو الجھانے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

اس کے بعد ایران آخری مرحلے میں اصل مہلک حملہ کرتا ہے اور انہی اہداف کو نشانہ بناتا ہے جنہیں وہ واقعی تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر ہم کل داغے گئے میزائلوں کی بنیاد پر کامیابی کا اندازہ لگائیں تو ایران کی کامیابی تقریباً 33 فیصد دکھائی دے گی۔

لیکن اگر ہم صرف ان میزائلوں کو دیکھیں جو اصل اہداف پر لگنے کیلئے بھیجے گئے تھے، تو کامیابی کی شرح تقریباً 100 فیصد کے قریب بنتی ہے۔

اور جن اہداف کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، وہ انتہائی اہم نوعیت کے ہیں۔

امریکی ریڈار سسٹمز جن کی مالیت سینکڑوں ملین ڈالر ہے تباہ کیے جا رہے ہیں، ایک کیس میں تو تقریباً 1.1 ارب ڈالر کا نظام تباہ ہوا۔

جب یہ جنگ ختم ہوگی تو مشرقِ وسطیٰ میں امریکی انفراسٹرکچر کو ہونے والا نقصان 100 ارب ڈالر سے تجاوز کر سکتا ہے۔

اگر خلیجی عرب ریاستیں بھی اسی راستے پر چلتی رہیں تو انہیں بھی اسی درجے کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

انٹرنیٹ پر آنے والی معلومات کو ہمیشہ احتیاط سے پڑھنا چاہیے کیونکہ وہاں معیاری جانچ کا نظام نہیں ہوتا۔

تاہم اطلاعات یہ بتاتی ہیں کہ ایران نے ایک ایسی عمارت کو نشانہ بنایا جس میں اسرائیلی افسران جنگ سے متعلق ایک اہم اجلاس کر رہے تھے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس عمارت کا مقام اسی صبح اسرائیلیوں نے منتخب کیا تھا، اور اسے مضبوط فضائی دفاعی حصار میں رکھا گیا تھا۔

اس حملے سے ایران نے دو چیزیں ثابت کیں۔

وہ کسی بھی وقت اسرائیلی فضائی دفاع کو عبور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس کے پاس انتہائی حساس سطح کی درست انٹیلیجنس معلومات حاصل کرنے اور فوری کارروائی کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

یہی چیز اسرائیل کو سب سے زیادہ خوفزدہ کر رہی ہے، کیونکہ اب انہیں احساس ہو چکا ہے کہ وہ عملی طور پر "چلتے پھرتے مردہ لوگ" بن چکے ہیں۔

ایرانی پیچھے ہٹنے والے نہیں۔

ان کے پاس اس جنگ کو طویل عرصہ جاری رکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔

بنیامین نیتن یاہو نے ڈونلڈ ٹرمپ کو خبردار کیا تھا کہ اگر ایران کے خلاف جنگ شروع کرنی ہے تو اسے فوری ختم کرنا ہوگا، اس سے پہلے کہ سینکڑوں میزائل اسرائیل پر برسیں۔

لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔

ایران اپنی پوری طاقت کے ساتھ میدان میں آ رہا ہے اور اسے روکنے کیلئے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

کبھی کبھی بچے سب سے گہرا سوال پوچھ لیتے ہیں۔

میرے بیٹے نے پوچھا:

اگر یہ جنگ ہارنے والی تھی تو امریکہ اور اسرائیل نے اسے شروع ہی کیوں کیا؟

اس جنگ کی اصل وجہ جنگ کی منصوبہ بندی کرنے والوں کی جہالت تھی جنگ کی حقیقت سے ناواقفیت۔

امریکی قیادت کے اردگرد بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں حقیقی جنگی تجربہ حاصل ہے۔

زیادہ تر سیاسی شوقیہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ کو صرف نظریاتی سطح پر سمجھا۔

انہوں نے ایرانی معیشت پر دباؤ ڈال کر، ریال کی قدر گرا کر، اور میڈیا کے ذریعے احتجاجات کو بڑھا چڑھا کر یہ یقین کر لیا کہ ایرانی عوام حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

چند لوگوں کے مظاہرے دکھا کر یہ تاثر پیدا کیا گیا کہ ایران میں حکومت گرنے والی ہے اور ٹرمپ نے اس بات پر یقین کر لیا۔

اسے بتایا گیا کہ اگر قیادت کو ختم کر دیا جائے، اگر خامنہ ای کو قتل کر دیا جائے، تو عوام بغاوت کر دیں گے۔

لیکن وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ علی خامنہ ای پہلے دن ہی موت کیلئے تیار بیٹھے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ انہیں نشانہ بنایا جا رہا ہے، مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ موجود تھے جو شہادت کیلئے تیار تھے۔

ایرانی عوام سڑکوں پر نکلے، مگر حکومت کے خلاف نہیں بلکہ "شہادت زندہ باد" کے نعروں کے ساتھ۔

اسی لمحے جنگ پہلے دن ہی ہار دی گئی۔

یہ دراصل ایک ایسا جال تھا جس میں ایمان رکھنے والی قوم نے مخالفین کو پھنسا لیا۔

ٹرمپ نہ شیعہ عقیدے کو سمجھتا ہے، نہ امام علیؑ کو، نہ امام حسینؑ کو، نہ کربلا کے تصور کو جبکہ اس جنگ میں یہ سب عوامل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

اگر مقصد ایرانی عوام کو سڑکوں پر لانا تھا تو ٹرمپ کامیاب ہوا مگر غلط مقصد کیلئے۔

آج ایران کے لوگ اسلامی جمہوریہ کے دفاع کیلئے متحد ہو چکے ہیں۔

کیونکہ آپ ایسے لوگوں کو شکست نہیں دے سکتے جو اپنے عقیدے کیلئے مرنے کو تیار ہوں۔

ایران کے مرد و زن اپنی سرزمین ہی نہیں بلکہ اپنے ایمان کے دفاع کیلئے کھڑے ہیں۔

اور اسی لمحے جب تہران پر پہلے میزائل گرے ڈونلڈ ٹرمپ یہ جنگ ہار چکا تھا۔

امریکی حملوں میں نشانہ بننے والی ایرانی شخصیات کون ہیں؟

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ایک ویڈیو خطاب میں دعویٰ کیا ہے کہ امریکی حملوں کے نتیجے میں ایران کی کم از کم 48 اہم شخصیات جان سے چلی گئی ہیں۔

صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے دعویٰ کیا ہے کہ امریکی حملوں میں ایران کی کم از کم 48 اہم شخصیات ماری جا چکی ہیں۔

صدر ٹرمپ نے ایک ویڈیو خطاب میں دعویٰ کیا کہ ایران کی عسکری کمان مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے اور بہت سے لوگ ہتھیار ڈالنا چاہتے ہیں۔

ایران کا سرکاری میڈیا گذشتہ دو روز میں کئی اہم حکومتی شخصیات کے جان سے جانے کی تصدیق کرتا رہا ہے، جن میں ایرانی سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای سرفہرست ہیں۔

ایران پر امریکی اور اسرائیلی حملوں میں جان سے جانے والے چند بہت اہم حکومتی عہدیداروں اور شخصیات کا تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

آیت اللہ علی خامنہ ای

ایران کی سرکاری خبر رساں ایجنسی ارنا نے اتوار کی صبح ملک کے 86 سالہ سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کے اعلیٰ قیادت کے ہمراہ ہفتے کو ہونے والے امریکی اور اسرائیلی حملوں میں جان سے چلے جانے کی تصدیق کی تھی۔

نیوز ایجنسی کے مطابق ایران پر امریکہ اور اسرائیل کے مشترکہ حملے میں سپریم لیڈر کی بیٹی، داماد اور 14 سالہ پوتی بھی جان سے گئے۔

ایران کے صدر مسعود پزشکیان نے ایک تحریری بیان میں تین دہائیوں سے زیادہ ایران پر حکومت کرنے والے علی خامنہ ای کے قتل کو 'مسلمانوں کے خلاف کھلا اعلان جنگ' اور اسلامی دنیا کے لیے سب سے بڑی آزمائش قرار دیا۔

علی شمخانی

ایران کی دفاعی کونسل کے سیکرٹری اور سپریم لیڈر خامنہ ای کے قریبی مشیر 70 سالہ علی شمخانی نے ایرانی جوہری پروگرام پر امریکہ اور ایران کے درمیان ہونے والے مذاکرات کی بھی نگرانی کی تھی۔

انہوں نے جمعرات کو کہا تھا کہ 'اگر مذاکرات کا اصل مسئلہ ایران کی جانب سے جوہری ہتھیار بنانا نہیں ہے تو یہ ایران کے رہنما کے جاری کردہ مذہبی فرمان اور ملک کے دفاعی نظریے کی تعمیل ہے اور ایک فوری معاہدہ ممکن ہے۔'

علی شمخانی کو جون 2025 میں ایران اور اسرائیل کے درمیان 12 روزہ جنگ کے دوران اسرائیلی حملے میں بھی نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس حملے میں ان کے مارے جانے کی اطلاعات تھیں لیکن بعد میں ان کے زندہ بچ جانے کی تصدیق کی گئی۔ تب انہیں شدید زخمی حالت میں ان کے مکان کے ملبے سے نکالا گیا تھا۔

انہوں نے 2023 تک ایک دہائی تک ایران کی سپریم نیشنل سکیورٹی کونسل کی قیادت بھی کی تھی، جبکہ سابق صدر حسن روحانی کے بعد کونسل کے لیے سب سے طویل عرصے (16 سال) تک خدمات سرانجام دینے والے بن گئے تھے۔

عبدالرحیم موسوی

ایران کی مسلح افواج کے چیف آف سٹاف کے طور خدمات انجام دینے والے عبدالرحیم

کو سپریم لیڈر علی خامنہ ای نے گذشتہ سال جون میں ایران پر اسرائیل کے حملے کے چند دن بعد اس عہدے پر تعینات کیا تھا۔

اس سے قبل وہ 2017 سے 2025 تک ایرانی فوج کے کمانڈر ان چیف رہ چکے ہیں۔ انہیں ایران کے بیلسٹک میزائلوں، ڈرون نظام اور مغربی تنقید کا نشانہ بننے والے خلائی لانچوں کی تیاری کے لیے کام کرنے والی ایک اہم شخصیت سمجھا جاتا ہے۔

مارچ 2023 میں امریکہ نے یورپی یونین، برطانیہ اور آسٹریلیا کے ساتھ مل کر موسوی پر ایران میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے مرتکب ہونے پر پابندی عائد کی تھی۔

امریکی محکمہ خارجہ کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عبدالرحیم موسوی کی کمان میں ایرانی فوج کے اہلکاروں نے مبینہ طور پر نومبر 2019 میں مظاہرین پر مشین گنوں سے فائرنگ کی تھی، ایران میں پیٹرول کی قیمتوں میں اضافے کے اچانک فیصلے کے بعد پورے ملک میں مظاہرے پھوٹ پڑے تھے۔

عزیز ناصر زادہ

2024 کے انتخابات کے بعد اقتدار میں آنے والی صدر مسعود پزشکیان کی حکومت میں وزیر دفاع کے طور پر کام کرنے والے عزیز ناصر زادہ ماضی میں ایرانی مسلح افواج کے ڈپٹی چیف آف سٹاف تھے اور 2018 سے 2021 تک ایرانی فضائیہ میں کمانڈر کے طور پر بھی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

امریکی اور اسرائیلی حملوں کے دوران ناصر زادہ نے ایرانی فوجی اور جوہری ڈھانچے کی حفاظت کو یقینی بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

جون 2025 میں جب امریکہ اور اسرائیل نے ایران پر حملے کی دھمکی دی تھی تو ناصر زادہ نے خبردار کیا تھا کہ اگر امریکہ نے پہلے حملہ کیا تو ایران خطے میں امریکی فوجی اڈوں کو نشانہ بنائے گا۔

ناصر زادہ غزہ اور مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی اقدامات پر بھی کھل کر تنقید کرتے تھے۔

محمد پاکپور

جون 2025 سے اپنی موت تک پاسداران انقلاب کے کمانڈر ان چیف رہنے والے محمد پاکپور کو علی خامنہ ای نے ہی اس عہدے پر گذشتہ سال تعینات کیا تھا۔

ایک تجربہ کار کمانڈر کی حیثیت سے انہوں نے ایلیٹ فورس کے اندر اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا، 1980 کی دہائی میں عراق کے ساتھ جنگ کے دوران پاکپور پاسداران انقلاب کے بکتر بند یونٹوں اور پھر ایک جنگی ڈویژن کی قیادت کر چکے ہیں۔

پاکپور نے کمانڈر انچیف مقرر ہونے سے قبل 16 سال تک پاسداران انقلاب کی زمینی افواج کی قیادت کرنے کے علاوہ اسی کور میں آپریشنز کے نائب بھی رہے اور فورس کے دو بڑے ہیڈکوارٹرز کی قیادت بھی کرتے تھے۔

ان ایرانی اہلکاروں کی جگہ کون لے گا؟

ایران کے سرکاری ٹی وی نے رپورٹ کیا کہ تین رکنی کونسل، جس میں ایران کے صدر پزشکیان، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس غلام حسین محسنی ایجی اور گارڈین کونسل کے ایک فقیہ رکن شامل ہیں، عارضی طور پر ملک میں تمام قیادت کے فرائض سنبھالے گی۔

گارڈین کونسل کے ایک مذہبی رہنما علی رضا اعرافی کو ایران کی لیڈر شپ کونسل میں تعینات کیا گیا ہے، جنہیں نئے رہنما کا انتخاب تک سپریم لیڈر کے کردار کو پورا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ایرانی وزیر خارجہ کے مطابق نئے سپریم لیڈر کا انتخاب ایک دو روز میں ہوگا۔

خلیجی ممالک پر ایرانی حملوں کے دوران لوگوں نے کیا دیکھا

’خود کو خطرے سے دور سمجھتے تھے، سوچا نہیں تھا یہ دن دیکھنا پڑے گا‘

عالیہ گذشتہ آٹھ برسوں سے اپنے شوہر اور دو بیٹیوں کے ساتھ دبئی ہلز کے علاقے میں رہائش پذیر ہیں۔

انھوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ دبئی جیسے محفوظ ترین شہر پر بھی حملہ ہو سکتا ہے۔ آج کل وہ مسلسل دھماکوں کی آوازیں سن رہی ہیں، جن سے ان کے گھر کی کھڑکیاں لرز اٹھتی ہیں اور ان کی چھوٹی بیٹیاں سہم جاتی ہیں۔

بی بی سی اردو بات کرتے ہوئے عالیہ بتاتی ہیں کہ ’ہم نے زندگی میں کبھی ایسا کچھ نہیں دیکھا، دھماکوں کی آوازیں ’بہت خوفناک‘ ہیں۔‘

وہ اپنی بیٹیوں کو لے کر خوفزدہ ہیں اور انھیں کھڑکیوں سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

گذشتہ دو دنوں سے دبئی کے رہائشی زیادہ تر گھروں کے اندر ہی رہ رہے ہیں، مالز اور سڑکیں تقریباً خالی ہیں اور ریستورانوں میں بھی معمول جیسا رش نظر نہیں آتا۔

یہاں کے آسمانوں میں بھی کوئی ڈریم لائنر یا ائیر بس نظر نہیں آ رہی جو جوق در جوق سیاحوں اور مزدوروں کے کارگو لا رہی ہوں۔۔۔ البتہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بیلسٹک میزائل اور ڈرون دکھائی دیتے ہیں جو خلیج کے اس پار متحدہ عرب امارات کا ہمسایہ ایران ان ریاستوں پر داغ رہا ہے۔

وہ شہر جسے یہاں کے رہائشی اور سیاح دنیا کا محفوظ ترین شہر سمجھتے تھے اب ایرانی میزائلوں اور ڈرونز کی زد میں ہے۔ یہ حملے امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے ایران پر کیے گئے حملوں کے ردِعمل میں کیے جا رہے ہیں۔

فیئر ماؤنٹ پام جیسے لگژری ہوٹل سے لے کر شاپنگ مالز، بلند و بالا اپارٹمنٹ بلاکس اور دبئی ایئرپورٹ جو دنیا کا مصروف ترین مسافر ہوائی اڈہ ہے، کو بھی نقصان پہنچا ہے۔

ان شہروں کی تعمیر کرتے وقت کسی نے نہیں سوچا تھا کہ ایک دن وہ ڈرونز اور بیلسٹک میزائلوں کے حملوں کی زد میں ہوں گے۔۔۔ دبئی میں مقیم میری ایک دوست نے شکوہ کیا کہ یہاں تو اسرائیل کی طرح بنکر بھی نہیں ہیں جن میں جا کر چھپ سکیں۔

اور اگر آپ دنیا کے امیر ترین شخص بھی ہیں تو بھی اس وقت آپ دبئی، ابوظہبی، دوحہ، بحرین، کویت سے فلائٹ لے کر باہر نہیں نکل سکتے۔ ان عرب ممالک میں رہنے والوں اور وہاں سیاحت پر آئے لاکھوں افراد کی دنیا راتوں رات بدل چکی ہے۔

بی بی سی نے دبئی، دوحہ، ابوظہبی، کویت، بحرین میں رہنے والے اور پھنس جانے والے پاکستانیوں اور انڈین شہریوں سے بات کر کے وہاں کے حالات اور آنے والے دنوں کے حوالے سے ان کے خدشات جاننے کی کوشش کی ہے۔

عالیہ کے مطابق ان کی کچھ دوستیں جو فوجی اڈوں یا حساس علاقوں کے قریب رہائش پذیر تھیں، وہ پریشان ہو کر حتہ، فجیرہ کی جانب نکل گئی ہیں اور ان میں زیادہ تعداد مغربی ممالک کے افراد کی ہے۔

تاہم ان مسلسل حملوں کے باوجود عالیہ حکومتی اقدامات سے مطمئن ہیں کیونکہ ان کے مطابق دبئی حکومت بہت اچھے طریقے سے اس صورتحال سے نمٹ رہی ہے اور شہریوں کو لحہ بالحہ الرٹ بھیج کر باخبر رکھا جا رہا ہے۔

وہ بتاتی ہیں کہ غیر یقینی ضرور ہے مگر ان کے اردگرد لوگ خوف یا گھبراہٹ کا شکار نہیں ہیں۔ ہوٹل، ریستوران، مالز سب کچھ کھلا ہے، باہر معمول سے کم لوگ نظر آ رہے ہیں مگر حالات نارمل ہیں۔

عالیہ کے مطابق دبئی میں زیادہ تر لوگ ہر قسم کا سامان آن لائن سامان آرڈر کرتے ہیں مگر اس کے علاوہ سپر مارکیٹیں بھی کھلی ہیں اور اکثر سٹورز نے اس طرح کے اشتہار بھی لگائے ہیں کہ ان کے یہاں سامان کا مستحکم ذخیرہ موجود ہے۔

وہ بتاتی ہیں کہ انھوں نے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی ہے، بس پانی تھوڑا زیادہ منگوا لیا تھا۔

ان کی بیٹی کا سکول بدھ تک آن لائن لرننگ پر منتقل ہو چکا ہے۔ عالیہ کی ایک دوست مانچسٹر سے پاکستان جا رہی تھیں لیکن انھیں حالات کی خرابی کی سبب دبئی میں رُکنا پڑا اور اب وہ آگے نہیں جا سکتیں۔

تاہم عالیہ بتاتی ہیں کہ حکومت نے اسے ہر قسم کی مدد فراہم کی ہے اور اسے ای میل آئی کہ حکومت ویزہ، ہوٹل وغیرہ فراہم کر رہی ہے مگر فی الحال وہ میرے ساتھ ہی مقیم ہے۔

یکم مارچ 2026 کو متحدہ عرب امارات کی وزارتِ دفاع نے اعلان کیا کہ اماراتی فضائی دفاعی نظام نے ایرانی بیلسٹک میزائلوں، کروز میزائلوں اور ڈرون حملوں کو کامیابی سے ناکام بنا دیا۔ بیان کے مطابق مجموعی طور پر 541 ڈرون طیارے داغے گئے جن میں سے 506 کو تباہ کر دیا گیا جبکہ 35 ملک کے اندر گرے۔

اسی طرح 165 بیلسٹک میزائلوں کی نشاندہی کی گئی جن میں سے 152 کو فضا ہی میں تباہ کر دیا گیا اور 13 سمندر میں جا گرے۔

وزارتِ دفاع کا کہنا ہے کہ دفاعی نظام نے حملوں کا مؤثر انداز میں مقابلہ کرتے ہوئے ملک کی فضائی حدود کا تحفظ یقینی بنایا۔

ان حملوں کے نتیجے میں اب تک یو اے ای میں تین افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے ہیں۔

’یہ وہ دبئی نہیں جس کے ہم عادی ہیں‘

35 سالہ ستیہ جگناتھن نے بی بی سی کو بتایا کہ ان کی بہن کے خاندان اور پالتو جانوروں کو ان کے اپارٹمنٹ میں پناہ لینی پڑی کیونکہ وہ جبل علی کی بندرگاہ کے قریب رہتے تھے، جہاں ’بہت سا ملبہ گر رہا تھا۔‘

خیال رہے سنیچر کے روز حکام نے اطلاع دی کہ ’ایئر انٹرسیپشن‘ کے ملبے کی وجہ سے بندرگاہ کی ایک حصے میں آگ لگ گئی ہے۔ خیال رہے یہ دنیا کی نویں مصروف ترین بندرگاہ ہے۔

جگناتھن کا کہنا تھا کہ ’ہر چند گھنٹوں میں دھماکوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، یہ بہت خوفناک ہے کیونکہ یہ وہ دبئی نہیں ہے جس کے ہم عادی ہیں۔‘

محمد نافع گذشتہ نو سالوں سے دبئی میں مقیم ہیں۔

وہ بتاتے ہیں کہ صورتحال معمول کے مطابق ہے اور اگرچہ پرائیوٹ کاروباروں اور کمپنیوں کو دو دن گھروں سے کام کی ہدایت کی گئی ہے مگر حکومت کے تمام دفاتر، عدالتیں، امیگریشن وغیرہ کے دفاتر معمول کے مطابق کھلے ہیں اور کام جاری ہے۔

نافع کے مطابق اگرچہ ایئر کارگو بند ہے مگر کسی قسم کی خوراک کی قلت نہیں ہے اور انھوں نے سپر سٹورز سامان سے بھرے دیکھے ہیں۔

بی بی سی نے دبئی، دوحہ، ابوظہبی، کویت، بحرین میں موجود جتنے پاکستانی اور انڈین شہریوں سے بات کی، ہم نے ان میں سے کسی کو بھی خوف نہیں پایا۔۔۔ ان سب کو اپنی حکومتوں پر اعتماد ہے اور وہ اب تک کے انتظامات سے مطمئن دکھائی دیے۔

نافع بھی اسی اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ مثال دیتے ہیں کہ اگر کسی ایک علاقے میں کوئی ملبہ آ کر گرتا ہے تو یہاں کی انتظامیہ پورے دبئی کو خوفزدہ کرنے کے بجائے صرف اس علاقے کے مکینوں کو ہی الرٹ کرتی ہے اور اتنا وقت ہوتا ہے کہ آپ با آسانی وہاں سے نکل کر کسی محفوظ جگہ چلے جائیں۔

انڈیا کے شہری دانش گذشتہ چھ ماہ سے دبئی میں مقیم ہیں اور مارکیٹنگ سے وابستہ ہیں۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ میں برجمن میں رہتا ہوں جو پرانے دبئی کے علاقے میں آتا ہے اور یہاں حالات نسبتاً معمول کے مطابق ہیں۔

دانش کے مطابق 'میں نے اپنی چھت کے اوپر سے میزائل گزرنے کی آوازیں سنیں اور یہ میری زندگی میں پہلی بار تھا کہ میں نے ایسا تجربہ کیا۔ میں تھوڑا سا ہل گیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ ہم دبئی میں ہیں اور ہمیں محفوظ رکھا جائے گا۔'

وہ کہتے ہیں کہ فی الحال صورتحال غیر یقینی کی ہو سکتی ہے، مگر حکومت اور ان کے اقدامات پر ہمارا مکمل اعتماد ہے۔

بی بی سی کو ایسی اطلاعات بھی ملی ہیں کہ دبئی اور ابوظہبی میں پھنسے سیاح بذریعہ سڑک سعودی عرب کا سفر کر رہے ہیں تاکہ وہاں سے فلائٹ لے کر نکل سکیں۔

نافع کے ایک دوست بھی ابوظہبی میں پھنس گئے تھے مگر وہاں کی انتظامیہ نے انھیں باہر نکلنے کی اجازت دی اور وہ بذریعہ سڑک جدہ پہنچ چکے ہیں۔ ان کے دوست کے مطابق بارڈر پر رش زیادہ تھا اور اکثریت مغربی ممالک کے افراد کی تھی جو یو اے ای اور قطر سے نکل رہے تھے۔

تاہم نافع کے مطابق دبئی حکومت نے ریاست میں پھنس جانے والے تمام سیاحوں کی رہائش کے اخراجات ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

نافع کے ایک دوست دبئی میں بی این بی چلاتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ انھیں حکومت نے بذریعہ ای میل مطلع کیا ہے کہ ہر خالی ہوٹل اور بی این بیز میں پھنس جانے والے سیاحوں کو فری رہائش دی جائے گی اور تمام خرچ حکومت ادا کرے گی۔

متحدہ عرب امارات حکومت نے اعلان کیا ہے کہ ایئر پورٹس بند ہونے کے باعث پھنس جانے والے سیاحوں اور مسافروں کے رہائشی اخراجات ریاست برداشت کرے گی۔

ہوٹلز کو جاری کیے گئے ایک سرکلر میں ابوظہبی کے محکمہ ثقافت و سیاحت نے کہا کہ 'موجودہ حالات کے پیشِ نظر اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کچھ مہمان اپنی چیک آؤٹ تاریخ تک پہنچ چکے ہیں لیکن وہ سفر کرنے سے قاصر ہیں، ہم درخواست کرتے ہیں کہ ان کے قیام میں اس وقت تک توسیع کی جائے۔ قیام میں توسیع کے اخراجات ڈی سی ٹی ابوظہبی برداشت کرے گا۔'

'بیٹی نے کہا ابو ہمیں پاکستان واپس چلیں'

تاہم عالیہ اور نافع کے برعکس دبئی کے رہائشی مرتضیٰ بتاتے ہیں کہ یہاں سڑکیں بالکل خالی ہیں اور ہفتے کے اختتام پر مالز خالی نظر آئے جو معمول کے برعکس ہے۔

انھوں نے خالی سڑکوں اور مالز کی تصاویر بھی بی بی سی کے ساتھ شیئر کی ہیں۔

مرتضیٰ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ دبئی جیسی جگہ، جو عالمی سطح پر تیزی سے ترقی کر رہی ہے، بھی حملوں کی زد میں آ سکتی ہے۔ لیکن حکومت نے جس طرح حالات کو سنبھالا ہے، یہ قابلِ تعریف ہے۔ اور جس طرح پھنس جانے والے سیاحوں کو مفت ہوٹل اور کھانا فراہم کیا جا رہا ہے وہ بھی قابلِ ستائش ہے۔

مرینا کے علاقے میں رہنے والے ایک پاکستانی والد نے بی بی سی اردو کے لیے صحافی زبیر خان کو بتایا کہ رات گئے اچانک زوردار آواز سن کر پورا گھر جاگ اٹھا۔ 'میرے دونوں بچے رونے لگے۔ بیٹی نے کہا ابو ہمیں پاکستان واپس چلیں۔'

ایک اور خاتون نے بتایا کہ انھوں نے احتیاطاً ایک بیگ تیار کر لیا ہے جس میں پاسپورٹ، کچھ نقد رقم اور بچوں کے کپڑے رکھ دیے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ 'میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ دبئی میں ایسا بھی دن دیکھنا پڑے گا۔ یہاں تو ہم خود کو ہر خطرے سے دور سمجھتے تھے۔'

بی بی سی بات کرنے والے اکثر افراد کے مطابق سپر مارکیٹوں میں سامان کی کوئی قلت نہیں ہے تاہم کچھ افراد کے مطابق اشیائے خورد و نوش کی خریداری بڑھ گئی ہے، جس سے بعض اوقات شیلف خالی دکھائی دیتے ہیں۔ ایک پاکستانی نوجوان نے بتایا کہ لوگ ضرورت سے زیادہ سامان خرید رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا 'خوف انسان سے سب کچھ کروا دیتا ہے۔'

دوسری جانب دبئی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر بھی بے چینی کا ماحول ہے۔

لاہور سے تعلق رکھنے والا ایک خاندان، جو چھٹیاں گزارنے آیا تھا، تین دن سے واپسی کی پرواز کا انتظار کر رہا ہے۔ ان کے دو چھوٹے بچے ایئر پورٹ کی کرسیوں پر سو جاتے ہیں اور ہر اعلان پر چونک کر جاگ اٹھتے ہیں۔

والد کا کہنا ہے 'فلائٹ بار بار منسوخ ہو رہی ہے۔ بچے پوچھتے ہیں ہم گھر کب جائیں گے، ہم یہاں سیر کے لیے آئے تھے، مگر اب بس یہی دعا ہے کہ خیریت سے واپس پہنچ جائیں۔'

ڈاکٹر عائشہ سلیمان گذشتہ 17 سال سے کویت میں مقیم ہیں۔

ان کی آج صبح کا آغاز لاتعداد دھماکوں کی آوازوں سے ہوا۔۔۔ اس سے قبل 17 سالوں میں انھوں نے کبھی کویت کو اس طرح حملوں کی زد میں نہیں دیکھا اور آج جیسی خوفناک آوازیں تو پہلے کبھی نہیں سنیں۔

بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے عائشہ بتاتی ہیں کہ پہلے تو امریکی اڈوں پر حملے ہو رہے تھے لیکن کل رات عام شہری علاقوں میں بھی حملے ہوئے ہیں اور انھوں نے خود دھماکوں کی آوازیں سنی ہیں۔

خیال رہے کویت کی وزارت دفاع نے کہا تھا کہ 'متعدد' امریکی لڑاکا طیارے کویت میں گر کر تباہ ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر عائشہ کے مطابق پہلے دن سنیچر کو جب حملے شروع ہوئے تو کچھ افراد نے گھبرا کر اشیائے ضروریہ ذخیرہ کرنے کی کوشش میں پینک بائینگ بھی کی ہے۔ مگر بعد میں انھوں نے دیکھا کہ سٹورز میں معمول کا سامان پڑا تھا۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا لوگ عام دنوں کی طرح مالز میں جا کر شاپنگ کر رہے ہیں اور سڑکوں میں معمول کی زندگی رواں ہے؟

وہ بتاتی ہیں کہ مسلسل سائرن کی آوازیں آ رہی ہیں، جب جب حملہ ہوتا ہے سائرن بجنے لگتے ہیں، آج صبح بھی بہت زیادہ زوردار آوازیں سنائی دیں ہیں مگر اس سب کے باوجود 'ہماری تقریباً معمول کی زندگی' چل رہی ہے۔

وہ چونکہ ڈاکٹر ہیں لہذا وہ معمول کی طرح ہسپتال جا رہی ہیں البتہ سکولوں کو تعلیمی اداروں کو تاحکمِ ثانی آن لائن کام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

عائشہ بتاتی ہیں کہ مالز، دکانیں وغیرہ کھلی ہیں تاہم حکومت نے لوگوں سے کہا ہے ضرورت کے بنا باہر نہ نکلیں اس لیے کم کم لوگ ہی باہر نظر آ رہے ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ کل میں سوچ رہی تھی شاید اب حالات بہتر ہو جائیں گے لیکن اب لگ نہیں رہا کہ کچھ دنوں میں سب ٹھیک ہوگا۔

ایران جنگ

کوویڈ وبا کے بعد دنیا میں فضائی سروس کا بدترین بحران

مشرق وسطیٰ میں اسرائیل اور امریکہ کے ایران پر حملے کے بعد بڑھتی کشیدگی کے باعث عالمی فضائی آپریشن شدید متاثر ہو گیا ہے جبکہ دنیا بھر میں ہزاروں پروازیں منسوخ اور تاخیر کا شکار ہو گئی ہیں۔

خبر رساں ادارے اے ایف پی کے مطابق ایران کی جانب سے امریکی اور اسرائیلی حملوں کے جواب میں کارروائیوں کے بعد مشرق وسطیٰ کے بڑے فضائی مراکز، خصوصاً دبئی اور دوحہ، عارضی طور پر بند ہو گئے جس کے باعث عالمی فضائی ٹریفک کو کووڈ وبا کے بعد سب سے بڑے بحران کا سامنا ہے۔

فضائی نگرانی کی ویب سائٹ کے مطابق اتوار کی صبح تک دنیا بھر میں 6،700 سے زائد پروازیں تاخیر کا شکار جبکہ تقریباً 1،900 پروازیں منسوخ کی جا چکی تھیں جبکہ ایک روز قبل بھی ہزاروں پروازیں متاثر ہوئی تھیں۔

اتوار کو اسرائیل اور ایران کے درمیان نئے حملوں کا تبادلہ ہوا، ایک روز قبل تہران نے جوابی کارروائی میں دبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ، جو بین الاقوامی مسافروں کے لحاظ سے دنیا کا مصروف ترین ایئرپورٹ ہے اور کویت کے مرکزی ایئرپورٹ کو نشانہ بنایا تھا۔

ایران، عراق، اسرائیل، شام، کویت، قطر اور متحدہ عرب امارات نے اپنی فضائی حدود جزوی یا مکمل طور پر بند کرنے کا اعلان کیا ہوا ہے جس سے خطے کے اوپر شہری فضائی آمد و رفت تقریباً معطل ہو کر رہ گئی۔ اردن نے بھی اپنی فضائی حدود کے دفاع کے لیے فضائی مشقیں شروع کر دیں۔

متعدد بڑی عالمی ایئرلائنز بشمول امارات، اتحاد، ایئر فرانس، برٹش ایئرویز، ترک ایئرلائنز، لفتھانسا، پی آئی اے اور ایئر انڈیا دیگر فضائی کمپنیوں نے خطے کے لیے اپنی پروازیں منسوخ یا معطل کر دیں۔

قطر ایئرویز نے دوحہ سے تمام پروازیں روک دیں جبکہ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز نے بھی متحدہ عرب امارات، بحرین، دوحہ اور کویت کے لیے پروازیں عارضی طور پر بند کر دیں۔

روس کی فضائی ٹرانسپورٹ اتھارٹی نے کہا کہ اسرائیل اور ایران کے لیے تمام کمرشل پروازیں مزید اطلاع تک منسوخ کر دی گئی ہیں۔

ترک ایئرلائنز نے لبنان، شام، عراق، ایران اور اردن کے لیے پروازیں دو مارچ تک منسوخ کر دیں۔

ایئر فرانس نے دبئی، ریاض، بیروت اور تل ابیب کی پروازیں اتوار تک منسوخ کر دیں، یوں پہلے سے جاری معطلی میں توسیع کر دی گئی۔

برٹش ایئرویز نے کہا کہ وہ چار مارچ تک تل ابیب اور بحرین کے لیے پروازیں نہیں چلائے گی جبکہ ہفتے کے روز اردن کے دارالحکومت عمان کی پروازیں بھی منسوخ کر دی گئیں۔

سوئس انٹرنیشنل ایئرلائنز نے سات مارچ تک تل ابیب آنے جانے والی پروازیں معطل کر دیں اور زیورخ سے دبئی کے لیے ہفتہ اور اتوار کی پروازیں بھی منسوخ کر دیں۔

جرمنی کی لفتھانسا، جس میں سوئس اور آئی ٹی اے ایئرویز شامل ہیں، نے تل ابیب، بیروت، عمان، اربیل اور تہران کے لیے پروازیں سات مارچ تک منسوخ کر دیں۔

ایئرلائن گروپ اور اس کی ذیلی کمپنیوں نے دبئی اور ابوظہبی کے لیے پروازیں بھی اتوار تک معطل رکھیں۔

یورپ، شمالی امریکہ، ایشیا پیسفک اور افریقا کی کئی ایئرلائنز نے بھی اسرائیل، دبئی، دوحہ اور دیگر مشرق وسطیٰ کے شہروں کے لیے اپنی سروسز معطل کر دی ہیں، جس کے باعث عالمی فضائی سفر شدید متاثر ہو رہا ہے اور آئندہ دنوں میں مزید منسوخیوں کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔

دوسری جانب ایران میں کشیدگی کے بعد افغانستان کی فضائی حدود سے عبوری پروازوں میں نمایاں اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔

فلائٹ ٹریکنگ ویب سائٹ فلائی ریڈار کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ایران کی فضائی حدود بند ہونے کے بعد عالمی پروازوں نے متبادل راستوں کے طور پر افغانستان کی فضائی حدود کا زیادہ استعمال شروع کر دیا ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق روزانہ درجنوں بین الاقوامی پروازیں افغانستان کی فضائی حدود سے گزر کر دنیا کے مختلف ممالک کی جانب روانہ ہو رہی ہیں۔

مشرق وسطیٰ میں امریکی فوجی اڈے کہاں کہاں ہیں؟

ایک رپورٹ کے مطابق مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کے تقریباً 19 اڈے ہیں جہاں فوجیوں اور اسلحے کی تعداد بدلتی رہتی ہے

ہفتے کی صبح امریکہ اور اسرائیل نے مشترکہ طور پر ایران پر حملوں کا آغاز کیا، جس کے جواب میں ایران نے مشرقِ وسطیٰ کے چند ملکوں کو نشانہ بنایا ہے، جن میں اب تک کی اطلاعات کے مطابق کویت، بحرین، عراق، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات شامل ہیں۔

مشرقِ وسطیٰ میں 1958 سے امریکی اڈے موجود ہیں۔ کونسل آن فارن ریلیشنز کی ایک رپورٹ کے مطابق ان اڈوں کی تعداد کم از کم 19 ہے، جن میں سے آٹھ مستقل اڈے ہیں جو بحرین، مصر، عراق، اردن، کویت، قطر، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں واقع ہیں۔ ان میں 40 سے 50 ہزار تک امریکی فوجی تعینات ہیں، تاہم ان کی تعداد بدلتی رہتی ہے۔

مشرقِ وسطیٰ میں اہم امریکی فوجی تنصیبات درج ذیل ہے۔

قطر: مشرقِ وسطیٰ میں سب سے اہم امریکی اڈہ العدید ایئر بیس ہے جو قطر میں واقع ہے، اور یہاں تقریباً دس ہزار فوجیوں کے علاوہ 100 طیارے اور متعدد ڈرونز موجود ہیں۔ یہ امریکی سینٹرل کمانڈ (سینٹ کام) کے فارورڈ ہیڈ کوارٹرز کے طور پر کام کرتا ہے اور عراق، شام اور افغانستان میں ہونے والے آپریشنز کے لیے اس کی حیثیت مرکزی رہی ہے۔

بحرین: بحرین میں امریکی بحریہ کے ففتھ فلیٹ کے ہیڈ کوارٹر کا مرکز واقع ہے، جس کی ذمہ داری کے علاقوں میں خلیج عرب، بحیرہ احمر، بحیرہ عرب اور بحر ہند کے کچھ حصے شامل ہیں۔

کویت: کویت میں کئی امریکی فوجی تنصیبات ہیں جن میں کیمپ عریفجان شامل ہے، جو امریکی آرمی سینٹرل کا فارورڈ ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کے علاوہ یہیں علی السالم ایئر بیس بھی ہے جو عراقی سرحد سے تقریباً 40 کلومیٹر دور ہے۔ کیمپ بیوہرنگ 2003 کی عراق جنگ کے دوران قائم کیا گیا تھا اور یہ امریکی آرمی کی ویب سائٹ کے مطابق عراق اور شام میں تعینات ہونے والی امریکی آرمی یونٹس کے لیے سٹیجنگ پوسٹ ہے۔

متحدہ عرب امارات: الظفرہ ایئر بیس، متحدہ عرب امارات کے دارالحکومت ابوظبی کے جنوب میں واقع ہے اور امریکی فضائیہ کا ایک اہم مرکز ہے، جس نے داعش کے خلاف کارروائیوں میں حصہ لیا ہے۔

دبئی کی جبل علی بندرگاہ اگرچہ ایک باقاعدہ فوجی اڈہ نہیں ہے، لیکن مشرق وسطیٰ میں امریکی بحریہ کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے جہاں بڑی تعداد میں امریکی طیارہ بردار جہاز اور دیگر بحری جہاز ٹھہرتے ہیں۔

عراق: صوبہ انبار میں عین الاسد میں امریکی ایئر بیس موجود ہے، جو وائٹ ہاؤس کے مطابق نیٹو مشنز میں حصہ لیتی ہے۔ 2020 میں جنرل قاسم سلیمانی کے قتل کے جواب میں ایران نے اس اڈے کو نشانہ بنایا تھا۔

شمالی عراق کے نیم خودمختار کردستان خطے میں واقع، اربیل ایئر بیس امریکی اور اتحادی

افواج کا تربیتی مرکز ہے، جہاں تربیتی مشقوں اور جنگی ڈرلز انجام دی جاتی ہیں۔

اردن: ازرق میں واقع دارالحکومت عمان سے 100 کلومیٹر شمال مشرق میں، موفق السلطی ایئر بیس امریکی ایئر فورسز سینٹرل کا 332 ویں ایئر ایکسپیڈیشنری ونگ تعینات ہے، جو بلاد شام میں مشنوں میں مصروف ہے۔

سعودی عرب: وائٹ ہاؤس کے مطابق سعودی عرب میں امریکی فوجیوں کی 2024 میں تعداد 321,2 تھی۔ سعودی حکومت کے ساتھ ہم آہنگی سے کام کرتے ہیں، فضائی اور میزائل دفاعی صلاحیتیں فراہم کرتے ہیں۔

ڈیاگو گارشیاہ: اڈا مشرقِ وسطیٰ میں نہیں بلکہ بحیرۂ عرب میں واقع ہے، تاہم اس کی موجودہ جنگ میں بے حد اہمیت ہے۔ 18 فروری کو صدر ٹرمپ نے کہا تھا کہ اس اڈے کو ایران پر حملے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بعض اطلاعات کے مطابق یہاں خطرناک بی 52 بمبار طیارے موجود ہیں۔

کیا پوتن ذاتی خطرے کی وجہ سے اپنے ’دوستوں‘ کے زوال کا باعث بننے والوں کا نام نہیں لیتے؟

عالمی منظر نامے پر کچھ ایسا ہو گیا ہے جس پر روسی صدر ولادیمیر پوتن بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔

28 فروری کو ایران کے رہبر اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای اسرائیلی اور امریکی حملوں میں مارے گئے۔ اگلے دن پوتن نے رہبر اعلیٰ کی ہلاکت کو ’قتل‘ قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ ایسا قتل، جو پوتن کے مطابق، ’انسانی اخلاقیات اور بین الاقوامی قوانین کے تمام تر اصولوں کی صریح خلاف ورزی‘ تھا۔

لیکن اپنے مذمتی بیان میں انھوں نے یہ تذکرہ نہیں کیا کہ یہ ’قتل‘ کس نے کیا۔

جو تعزیتی پیغام انھوں نے ایرانی صدر مسعود پزشکیان کو بھیجا اُس میں بھی نہ تو امریکہ اور نہ ہی اسرائیل کا ذکر تھا۔

زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب جنوری 2025 میں روس اور ایران نے سٹریٹجک شراکت داری کا معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدے میں روس کی جانب سے ایران کو فوجی امداد فراہم کرنے کی کوئی شرط شامل نہیں تھی۔

اس معاہدے کے چند ماہ بعد جون 2025 میں جب امریکہ نے ایران کی جوہری تنصیبات پر بمباری کی اور انھیں تباہ کرنے کا دعویٰ کیا، تو پوتن نے اسے ’ایران کے خلاف بلا جواز جارحیت‘ قرار دیا۔ ایسی جارحیت جس کی ’کوئی بنیاد اور کوئی جواز نہیں‘ تھا، لیکن اپنے اس مذمتی بیان میں بھی انھوں نے امریکہ کا نام نہیں لیا۔

ماضی میں جب اُن سے پوچھا گیا تھا کہ اگر امریکہ اور اسرائیل نے خامنہ ای کو قتل کر دیا تو کیا ہوگا؟ اس پر پوتن نے کہا تھا: ’میں اس پر بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔‘

بی بی سی مانیٹرنگ نے اہم مواقع پر کریملن کی جانب سے جاری ہونے والے بیانات اور روسی سرکاری میڈیا کا جائزہ لیا کہ تاکہ یہ جان سکیں کہ سنہ 2011 سے سنہ 2026 کے درمیان کریملن کے پانچ اہم اتحادیوں کے زوال یا مارے جانے پر پوتن نے کیا کہا۔

حالیہ عرصے میں انھوں نے اپنے اتحادیوں کے زوال کا باعث بننے والوں کے بارے میں یا تو بالکل کچھ نہیں کہا یا بہت کم کہا ہے۔ تاہم پہلے وہ اس پر کھل کر بات کرتے تھے۔

معمر قذافی اور یانوکووچ

اکتوبر 2011 میں لیبیا میں معمر قذافی کے قتل کے بعد پوتن کی جانب سے دیا گیا بیان بہت تفصیلی تھا۔

اپنے مذمتی بیان میں انھوں نے ’امریکی ڈرونز‘ کا تذکرہ کیا جن کی مدد سے قذافی کے قافلے کو نشانہ بنایا گیا تھا اور اُن ’غیر ملکی خصوصی دستوں‘ کا بھی ذکر کیا جو، اُن کے مطابق، ’وہاں (لیبیا میں) نہیں ہونے چاہییں تھے۔‘

انھوں نے قذافی کے قتل کو ایک ایسی تباہی قرار دیا جو ’بغیر مقدمے یا تحقیقات‘ کے برپا کی گئی۔ پوتن نے اقوام متحدہ کی جانب سے لیبیا کے معاملات میں مداخلت سے متعلق قرارداد کو ’صلیبی جنگ کی پکار‘ کہا۔

اسی طرح پوتن نے فروری 2014 میں یوکرین کے وکٹر یانوکووچ کے اقتدار سے ہٹائے جانے کے بعد بھی کُھلی تنقید کی تھی۔ چار مارچ 2014 کو ایک پریس کانفرنس میں انھوں نے پولینڈ، جرمنی اور فرانس کے وزرائے خارجہ کے نام لیے جنھوں نے یوکرین میں حزب اختلاف کے رہنماؤں کے ساتھ معاہدوں کی ضمانت دی تھی۔

انھوں نے یہ بھی کھلے عام تسلیم کیا کہ انھوں نے یانوکووچ کو کریمیا فرار ہونے میں مدد کی ہے۔

بعد کے برسوں میں پوتن نے بار بار امریکہ پر الزام لگایا کہ اس نے یوکرین میں ’بغاوت‘ کا ایک منصوبہ بنایا اور روس کو ’بیدردی اور ڈھٹائی سے‘ دھوکہ دیا۔

اسد: الفاظ کے بغیر اقدامات

جب دسمبر 2024 میں بشار الاسد کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو روس نے انھیں (بشار الاسد) ماسکو منتقل کر دیا، لیکن پوتن کی جانب سے اس معاملے پر دیے گئے عوامی ردِعمل میں نہ تو کسی کی مذمت کی اور نہ ہی اس میں ملوث کسی کردار کا نام لیا گیا۔

حکومت کے خاتمے اور بشار الاسد کی ماسکو آمد کے تقریباً دو ہفتے بعد پوتن نے صحافیوں کو بتایا کہ انھوں نے ’ابھی تک صدر اسد سے ملاقات نہیں کی ہے۔‘

اس موقع پر انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ’شام میں ہونے والی حالیہ پیش رفت کا مطلب یہ نہیں کہ روس کو شکست ہوئی ہے۔‘

اور پھر چند ماہ بعد پوتن شام کے نئے صدر احمد الشرع کو علاقائی سالمیت بحال کرنے پر مبارکباد دے رہے تھے۔

نکولس مادورو پر کوئی بیان نہیں

جنوری 2026 میں امریکی افواج کے ہاتھوں وینزویلا کے رہنما نکولاس مادورو کی گرفتاری پر پوتن نے کوئی عوامی بیان نہیں دیا۔

اس ضمن میں مذمتی بیانات روس کی سکیورٹی کونسل کے نائب چیئرمین دمتری میدویدیف، روس کے اقوام متحدہ کے نمائندے واسیلی نیبینزیا، وزارت خارجہ کی ترجمان ماریا زاخارووا اور کئی پارلیمانی اراکین کی طرف سے آئے۔

لیکن کریملن کی طرف سے کوئی مذمتی بیان جاری نہیں کیا گیا۔

خامنہ ای: قاتل کا نام لیے بغیر قتل کا تذکرہ

کارنیگی برلن سینٹر کے سینیئر فیلو الیگزینڈر باؤنوف روس میں رائج ’متعدد سیاسی زبانوں‘ کے نظام کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خامنہ ای کے قتل پر سامنے آنے والا مذمتی بیان اسی نظام کا تسلسل ہو سکتا ہے۔

’متعدد سیاسی زبانوں‘ کا نظام جس کے تحت روس کی وزارتِ خارجہ تو امریکہ مخالف بیانیہ اپناتی نظر آتی ہے جبکہ کریملن کا ٹرمپ کے تئیں رویہ الگ ہوتا ہے۔

الیگزینڈر باؤنوف نے اس بات کی بھی نشاندہی کی کہ خامنہ ای کے قتل پر پوتن کا بیان سنہ 2020 میں ایرانی جنرل قاسم سلیمانی کی ہلاکت کے موقع پر دیے گئے بیان سے کمزور تھا۔ قاسم سلیمانی کی امریکی ڈرون حملے میں ہلاکت کے بعد ٹرمپ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’انھوں نے بس جا کر ایک ایرانی جنرل کو قتل کر دیا، (وہ) بالکل عقل کھو بیٹھے ہیں۔‘

لیکن اُس وقت بھی پوتن نے ٹرمپ کا نام نہیں لیا اور بس ’انھوں‘ کہنے پر اکتفا کیا۔

اس معاملے پر صحافی یکاترینا کوترِیکادزے کہتی ہیں کہ ’پوتن ایک مشکل میں ہیں: وہ امریکہ پر کُھل کر تنقید بھی نہیں کر سکتے (جیسا کہ وہ ماضی میں عام طور پر کرتے تھے)، لیکن مکمل طور پر خاموش بھی نہیں رہ سکتے کیونکہ خاموشی کمزوری کا اظہار ہوتی ہے۔‘

انھوں نے کہا کہ پوتن کے لیے یہ تکلیف دہ ضرور ہوگا کہ اُن کے ایک قریبی دوست (اتحادی) کے بعد دوسرا گر رہا ہے، لیکن وہ پلٹ کر وار نہیں کر سکتے کیونکہ کریملن اب بھی 47ویں امریکی صدر کے ساتھ کاروبار کرنے کی امید رکھتا ہے۔

سیاسی تجزیہ کار الیگزینڈر موروزوف نے کریملن کی جانب سے اپنائے گئے ’محتاط ردِعمل‘ کی نشاندہی کی اور کہا کہ ’ایران کی جنگ نے پوتن کی جانب سے (ایسے مواقع پر) اختیار کردہ حربوں میں موجود قدامت پسندی کو ظاہر کیا ہے اور کریملن کو ایک مشکل صورتحال سے دوچار کیا ہے۔‘

پوتن اپنی زبان پر قابو اس لیے بھی رکھ سکتے ہیں کیونکہ وہ ٹرمپ کے حالیہ اقدامات کے تناظر میں ذاتی طور پر خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

سیاسی تجزیہ کار سرگئی شیلن کے مطابق ’پوتن اب ٹرمپ کو کچھ مختلف انداز سے دیکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پوتن ’اپنی مشکوک طبیعت کے پیشِ نظر‘ حالات کو اب بڑھتے خوف کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

سنہ 2011 میں امریکی سینیٹر جان مکین نے کہا تھا کہ ’پوتن کا انجام بھی قذافی جیسا ہو سکتا ہے‘۔ اس کے جواب میں پوتن نے جان مکین کی ذہنی صحت پر سوال اٹھایا تھا۔

اگرچہ اب ’قذافی جیسا انجام‘ جیسے بیانات اور تجاویز امریکہ سے نہیں آتیں، مگر اسی دورانیے میں پوتن کا اہم عالمی معاملات پر ردِعمل کسی کا نام نہ لینے تک پہنچ گیا ہے۔

بحر ہند میں ایرانی جنگی جہاز کی تباہی پر انڈین اپوزیشن جماعتوں کی تنقید

'ہمارے مہمان مارے گئے اور مودی خاموش ہیں'

سری لنکا کے ساحل کے قریب ایک ایرانی جنگی بحری جہاز کو امریکی آبدوز کی جانب سے نشانہ بنائے جانے کے بعد سے انڈیا کی حزب اختلاف کی جماعتوں کی جانب سے وزیر اعظم نریندر مودی اور بی جے پی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

انڈیا میں حزب اختلاف کی بڑی جماعت کانگریس کی ترجمان نے اس واقعے پر وزیر اعظم نریندر مودی کی خاموشی پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ 'ایرانی سیلرز (ملاح) ایک تقریب کے لیے انڈیا آئے تھے، جس کے لیے انڈیا نے انھیں مدعو کیا تھا۔ وہ ہمارے مہمان تھے۔ جب وہ واپس جا رہے تھے تو ایک امریکی آبدوز نے اُن کے جہاز پر حملہ کر کے انھیں ہلاک کر دیا۔' انھوں نے مزید کہا کہ اس معاملے پر 'وزیر اعظم مودی کی طرف سے کوئی بیان نہیں آیا۔ یہ بزدلی ناقابل قبول ہے۔ وزیر اعظم مودی کا سمجھوتہ انڈیا کو شرمندہ کر رہا ہے۔'

یاد رہے کہ اس ایرانی جنگی جہاز نے گذشتہ دنوں انڈیا کی میزبانی میں ہونے والی 'انٹرنیشنل فلیٹ ریویو 2026' نامی فوجی مشق میں حصہ لیا تھا۔

بدھ کے روز امریکی سیکریٹری دفاع پیٹ ہیگستھ نے دعویٰ کیا تھا کہ بحرِ ہند میں موجود ایک امریکی آبدوز نے تارپیڈو فائر کر کے ایران کا جنگی بحری جہاز ڈبو دیا ہے۔

پیٹ ہیگستھ کا مزید کہنا تھا کہ منگل (تین فروری) کو کیا گیا یہ تارپیڈو حملہ ایک 'خاموش موت' جیسا تھا۔

اس وقت امریکی وزیر دفاع ہیگستھ نے ڈبوئے جانے والے ایرانی جنگی جہاز کا نام نہیں بتایا تھا تاہم اُن کا یہ اعلان ایک ایسے وقت میں سامنا آیا تھا جب سری لنکن حکام نے اپنی سمندری حدود کے قریب ڈوبنے والے ایرانی جہاز آئی آر آئی ایس دینا سے 32 افراد کو ریسکیو کرنے اور 80 لاشیں نکالے جانے کی تصدیق کی۔

سری لنکن بحریہ کے ترجمان نے بتایا تھا کہ دستاویزات کے مطابق اس جہاز پر قریب 180 افراد سوار تھے۔ سری لنکا کی وزیرِ خارجہ وجیتھا ہیراتھ کا کہنا تھا کہ بچ جانے والے افراد 'شدید زخمی' تھے جنھیں سری لنکا کی جنوبی بندرگاہ گالے میں واقع ہسپتال میں منتقل کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ سری لنکن حدود کے قریب ڈوبنے والے اس 'آئی آر آئی ایس دینا' نامی بحری جہاز نے انڈیا کی میزبانی میں عسکری مشق 'انٹرنیشنل فلیٹ ریویو 2026' میں شرکت کی تھی۔

انڈین بحریہ کی ایسٹرن نیول کمانڈ نے 17 فروری کو ایکس پر ایک پوسٹ بھی کی تھی، جس سے تصدیق ہوتی ہے کہ گذشتہ مہینے یہ ایرانی جہاز انڈین بندرگاہ وشاکاپٹنم میں موجود تھا۔

انڈین چینل این ڈی ٹی وی کے مطابق آئی آر آئی ایس دینا پر اُس وقت حملہ ہوا جب وہ انٹرنیشنل فلیٹ ریویو میں حصہ لینے کے بعد انڈیا سے واپس جا رہا تھا۔ انڈین ذرائع ابلاغ کے مطابق یہ ایرانی جہاز 18 سے 25 فروری تک خلیج بنگال میں تھا اور اس پر بین الاقوامی پانیوں میں اس وقت حملہ ہوا جب یہ وشاکاپٹنم سے واپس جا رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ انڈیا میں اس بحری جہاز کی تباہی پر شدید تحفظات پائے جاتے ہیں۔

انڈیا کی اپوزیشن جماعتوں نے ایرانی جنگی جہاز پر امریکی حملے کے بعد 'وزیر اعظم مودی کی خاموشی' پر تنقید کی ہے۔

عام آدمی پارٹی کے رُکن پارلیمنٹ سنجے سنگھ نے ایرانی جہاز کی ویڈیو شیئر کر کے لکھا کہ 'یہ ویڈیو مودی جی کی بزدلی کو ہمیشہ کے لیے ریکارڈ پر رکھے گی۔ ایران نے انڈیا کی دعوت پر فوجی مشق کے لیے اپنا جہاز بھیجا تھا۔ اس جہاز کی خصوصیات محترم صدر کی موجودگی میں بھی بتائی گئی تھیں۔'

سنجے سنگھ نے مزید لکھا کہ 'یہ جہاز امریکہ نے مار گرایا ہے، جس میں 100 سے زائد ملاح مارے گئے ہیں۔ ہمارے مہمان مارے گئے اور مودی خاموش ہیں۔'

انڈین سیاستدان پون کھیرا نے ایکس پر ایک بیان میں لکھا کہ 'انڈیا کے مہمان آئی آر آئی ایس دینا پر اُس وقت حملہ ہوا جب وہ انڈیا میں انٹرنیشنل فلیٹ ریویو کے بعد واپس جا رہا تھا۔'

انھوں نے لکھا کہ 'سوال یہ ہے کہ کیا نریندر مودی اس معاملے پر تنقید کرنے، ایران سے تعزیت کرنے اور سری لنکا کو ریسکیو مشن میں مدد فراہم کرنے کی پیشکش کرنے کی اخلاقی جرات رکھتے ہیں۔'

انھوں نے لکھا کہ 'ہمارے سمندری علاقے میں امریکی حملہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک دور دراز طاقت یہاں مہلک قوت استعمال کر سکتی ہے اور اس کے کوئی نتائج نہیں نکلتے۔ ایسی جسارت وہ چین کے خلاف چین کے سمندر میں کبھی نہ کرتے۔'

'جنگ ہمارے دروازے پر ہے اور مودی صاحب کی خاموشی قومی مفاد کے خلاف ہے۔'

دی اکنامسٹ کے ڈیفنس ایڈیٹر ششانک جوشی نے لکھا کہ اس واقعے کے تناظر میں 'نئی دہلی میں خدشات' پیدا ہو رہے ہیں۔

ساگریکا گھوس نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ 'کیا نریندر مودی ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے کہ ان کے دوست ڈونلڈ ٹرمپ نے انھیں نہیں بتایا کہ ایک امریکی آبدوز انڈیا کے پانیوں کے قریب گھوم رہی ہے اور جنگی جہازوں کو نشانہ بنا رہی ہے؟'

ایک اور صارف نے نئی دہلی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ 'کیا انڈیا میں اتنا دم بھی نہیں کہ وہ امریکہ کو بتا سکے کہ اس کو آبدوز کا استعمال کر کے ایک ایرانی جہاز کو، جو انڈیا میں بحری مشق سے واپس آ رہا تھا، غرق کر کے 80 اہلکاروں کو مارنے کا کوئی حق نہیں؟'

یاد رہے کہ بدھ کے روز امریکی سیکریٹری دفاع ہیگستھ نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ سمندر میں کسی بحری جہاز کو ڈبونے کا واقعہ دوسری عالمی جنگ کے بعد پہلی مرتبہ پیش آیا تھا۔ مگر یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ سنہ 1971 کے دوران پاکستانی آبدوز نے انڈین جہاز آئی این ایس کھکری پر تارپیڈو حملہ کر کے اسے ڈبو دیا تھا۔ سنہ 1982 کی فاکلینڈ جنگ کے دوران جنوبی اٹلانٹک میں برطانوی جوہری صلاحیت کی حامل آبدوز نے دو ٹائیگر تارپیڈو کے ذریعے ارجنٹینا کے واحد جنگی جہاز جنرل بلگرانو کو غرق کیا تھا۔ اگر حالیہ امریکہ دعویٰ درست ثابت ہوتا ہے تو 1945 کے بعد ایسا پہلا بار ہوگا کہ کسی امریکی آبدوز نے دشمن جہاز گرایا ہو۔

آئی آر آئی دینا کے بارے میں ہم اور کیا جانتے ہیں؟

آئی آر آئی ایس دینا ایرانی بحریہ کی 86 ویں فلیٹ کا حصہ ہے۔ یہ جہاز سنہ 2022 اور 2023 میں اس وقت خبروں میں آیا تھا جب اس نے 63 ہزار کلومیٹر پر مشتمل سمندری سفر مشن مکمل کیا تھا اور ایران کی بحری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔

یہ جہاز مکمل طور پر ایران میں ہی بنایا گیا تھا۔ اسے بندر عباس میں شاہد درویش شپیارڈ پر تیار کیا گیا تھا۔

اس جہاز کا وزن 1500 ٹن تھا اور یہ 95 میٹر لمبا تھا۔

اس جہاز کے اندر اینٹی شپ میزائل، ایک 76 ایم ایم بحری گن، ایک 30 ایم ایم ویپن سسٹم، تارپیڈوز اور پانی سے فضا میں مار کرنے والے میزائل نصب تھے۔

ایرانی بحریہ نے ماضی میں کہا تھا کہ یہ جہاز بین الاقوامی تجارت کو تحفظ دینے، سمندری لوٹ مار کو روکنے اور طویل بحری آپریشنز سرانجام دینے کے لیے بنایا گیا ہے۔

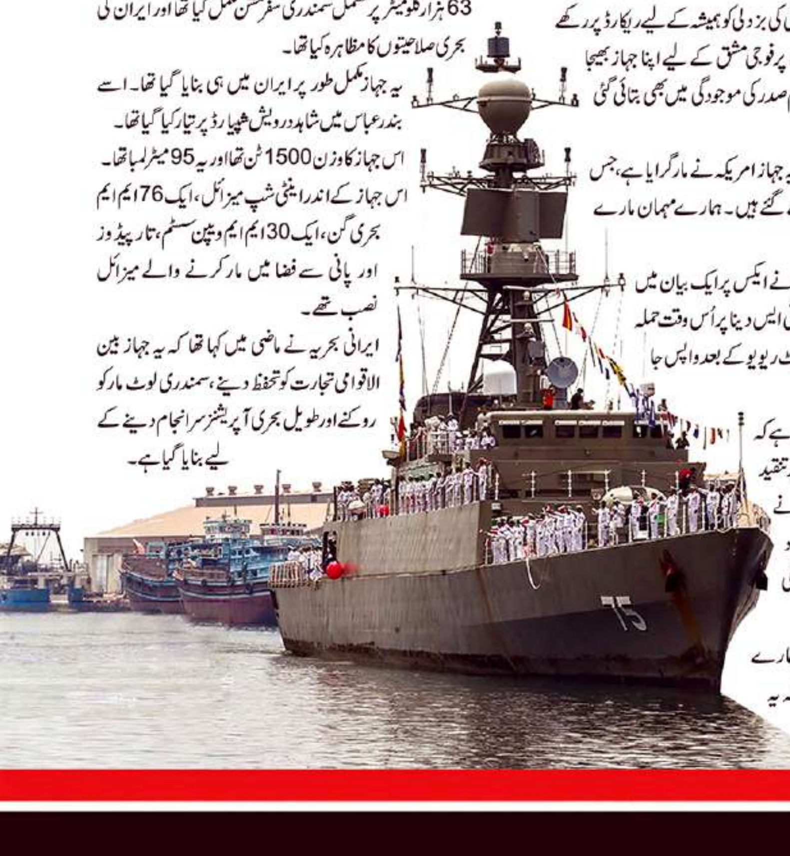

ایران کے اتحادی روس اور چین اس کی مدد کیوں نہیں کر پا رہے؟

برطانیہ نے ایران کے خلاف جاری حملوں کے سلسلے میں امریکہ کو اپنے فضائی اڈے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے جس پر یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ تہران کو اس کے اتحادی ممالک کی طرف سے کیا حمایت حاصل ہو سکتی ہے۔

روس اور چین دونوں کے ایران کے ساتھ مضبوط سفارتی، تجارتی اور فوجی روابط ہیں۔

لیکن موجودہ تنازع یہ ثابت کر دے گا کہ وہ اپنے اس اتحادی کی مدد کے لیے کس حد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔

روس کی زبانی جمع خرچ

بی بی سی نیوز روسی کے سرگئی گوریشکو کہتے ہیں کہ ایران پر امریکہ اور اسرائیل کے مشترکہ حملوں پر ماسکو نے شور تو بہت مچایا ہے لیکن اس کا ردعمل کافی حد تک محدود ہے۔ روس نے ان حملوں پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے تہران کے ساتھ یکجہتی کا اشارہ دیا ہے تاہم ماسکو نے ایسا کوئی بھی اقدام اٹھانے سے گریز کیا ہے جس سے روس کے اس تنازع میں براہ راست شامل ہوئے کا امکان ہو۔

روسی حکومت کے ترجمان دمتری پیسکوف نے 'شدید مایوسی' کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ واشنگٹن اور تہران کے درمیان بات چیت کے باوجود، صورت حال 'صریح جارحیت میں تبدیل ہو گئی ہے'۔

ان کا کہنا ہے کہ ماسکو ایرانی قیادت اور اس ساری کشیدگی سے متاثرہ خلیجی ریاستوں کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہے۔

روس کی وزارت خارجہ نے امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے ایران کے خلاف 'بلا اشتعال جارحیت' کی مذمت کی ہے اور اسے سیاسی قتل اور خودمختار ریاستوں کے رہنماؤں کا 'شکار' قرار دیا ہے۔

اتوار کے روز روسی صدر ولادیمیر پوتن نے ایران کے رہبرِ اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای کی ہلاکت پر ایرانی ہم منصب کو ایک تعزیتی پیغام بھیجا جس میں اسے 'انسانی اخلاقیات اور بین الاقوامی قانون کی مذموم خلاف ورزی' قرار دیا گیا۔

تاہم اس کے باوجود کریملن امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ پر تنقید سے گریز کرتا نظر آ رہا ہے اور اب بھی یوکرین کے معاملے پر ثالثی کی کوششوں کے لیے امریکہ کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔

سوموار کے روز ایک سوال پر کہ روس اب واشنگٹن پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے، پیسکوف کا کہنا تھا کہ روس 'سب سے پہلے صرف خود پر بھروسہ کرتا ہے' اور اپنے مفادات کا دفاع یقینی بناتا ہے۔

ہمارے نامہ نگار کا کہنا ہے کہ جب آپ روس کے ان مفادات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روس کی ایران کے لیے حمایت بڑی حد تک بیان بازی تک محدود کیوں ہے حالانکہ یوکرین پر روسی حملے کے بعد سے تہران ماسکو کے قریبی اتحادیوں میں سے ایک بن چکا ہے۔

ایران روس کو ڈرون سپلائی کر رہا ہے اور ماسکو کو مغربی پابندیوں سے بچنے کے طریقے تیار کرنے میں مدد کر رہا ہے۔

ایران روس کے اس عالمی منظر نامے میں بھی

ٹھیک بیٹھتا ہے جس میں طاقت کے محور ایک سے زیادہ ہوں، جہاں ریاستی حقوق انسانی حقوق سے زیادہ اہم ہوتے ہوں، اور حکومتیں ملک کے اندر مکمل کنٹرول رکھتی ہیں۔ ایسی کسی بھی حکومت کا زوال روس کے اس عالمی منظرنامے کے لیے ایک دھچکا ہوگا۔

لیکن کریملن پہلے ہی یہ ظاہر کر چکا ہے کہ وہ اپنے اتحادیوں کے لیے زیادہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں چاہے وہ وینزویلا کا معاملہ ہو یا شام کا یا گذشتہ سال ایران اور اسرائیل کے درمیان ہونے والی 12 روزہ جنگ۔

روس بہت بری طریقے سے یوکرین جنگ میں پھنسا ہوا ہے اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ سفارتی بیانات اور فوجی ٹیکنیکل تعاون سے زیادہ مدد فراہم کرنے کے لیے تیار نہیں یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ کچھ کرنے کی سکت ہی نہیں رکھتا۔

17 جنوری 2025 کو ایران اور روس کے درمیان ہونے والا سٹریٹیجک شراکت داری کا معاہدہ مشترکہ دفاعی معاہدے سے کچھ ہی کم ہے۔

ماسکو اور تہران نے معلومات کے تبادلے، مشترکہ مشقیں اور 'علاقائی سلامتی کو یقینی بنانے' کا عہد کیا ہے۔ تاہم حملے کی صورت میں انھوں نے ایک دوسرے کا دفاع کرنے کا وعدہ نہیں کیا۔ دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی تعلقات بھی معمولی ہیں، اور تجارت بھی محض چار سے پانچ ارب ڈالر ہے۔

لیکن دونوں ملکوں کے دوران فوجی اور صنعتی روابط میں اضافہ ہو رہا ہے۔ فروری میں، فنانشل ٹائمز اخبار کی جانب سے شائع ایک خبر کے مطابق، دونوں ملکوں کے درمیان ایک بڑا معاہدہ ہوا ہے جس کے تحت روس ایران کو 50 کروڑ یورو مالیت کے وربا مین پورٹیبل ایئر ڈیفنس سسٹم فراہم کرے گا۔

روس اب تک ایران کو یاک-130 تربیتی طیارے، ایم آئی-28 حملہ آور ہیلی کاپٹرز مہیا کر چکا ہے اور تہران کو جلد ہی ایس یو-35 لڑاکا طیارے ملنے کی بھی توقع ہے۔ تاہم روس نے اب تک ایران کو وربا دفاعی سسٹم فراہم نہیں کیا ہے۔

ایرانی ساختہ شاہد ڈرون کے استعمال نے یوکرین جنگ میں روسی افواج کی حکمت عملی کو نمایاں طور پر تبدیل کر دیا۔ لیکن پچھلے سال، ماسکو نے تیزی سے مقامی طور پر کردہ ڈرون کی پیداوار کو بڑھایا، جس سے ایرانی ہتھیاروں پر اس کا انحصار کم ہو گیا۔

ماسکو کے لیے ایران اتنا اہم ہے کہ وہ اسے گرنے

نہیں دے سکتا لیکن اتنا بھی اہم نہیں کہ وہ اس کے لیے لڑائی مول لے۔ مستقبل میں یہ صورتحال بدل سکتی ہے لیکن فی الحال روس کی مداخلت محض زبانی جمع خرچ تک محدود رہنے کا امکان ہے۔

چین جو تہران کی اقتصادی لائف لائن ہے

چین نے آیت اللہ علی خامنہ ای کے قتل کی شدید مذمت کی ہے۔ تاریخی طور پر بیجنگ دنیا بھر میں حکومت کی تبدیلی کی امریکی حکمت عملی کی مخالفت کرتا آیا ہے۔

بی بی سی ورلڈ سروس کے گلوبل چائنا یونٹ کے شان یوان کا کہنا ہے کہ چین اور ایران کے درمیان مضبوط تعلق کی سب سے بڑی وجہ باہمی فائدہ مند اقتصادی شراکت داری ہے۔ چین ایران کا سب سے بڑا تجارتی شراکت دار اور توانائی کا سب سے اہم خریدار ہے۔

ایران پر برسوں سے امریکی پابندیوں کے باوجود، بیجنگ تہران کی اقتصادی لائف لائن بنا ہوا ہے۔ بے نام بحری بیڑوں کی مدد سے چین رعایتی قیمتوں پر ایران سے خام تیل کی ایک بڑی مقدار خریدتا ہے۔

مثال کے طور پر، 2025 میں چین نے ایران کے برآمد شدہ تیل کا 80 فیصد سے زیادہ خریدا۔ اور چینی خریداریوں سے حاصل ہونے والی

آمدنی کی بدولت ایران نہ صرف اپنی معیشت کو مستحکم رکھنے بلکہ دفاعی مقاصد کے لیے اخراجات کرنے میں بھی کامیاب رہا ہے۔

2021 میں چین اور ایران نے ایک 25 سالہ سٹریٹجک معاہدے پر دستخط کیے جس نے دونوں ملکوں کے تعلقات کو مزید مستحکم کیا۔ اس معاہدے کے تحت چین نے ایرانی انفراسٹرکچر اور ٹیلی کمیونیکیشن میں اربوں کی سرمایہ کاری کا وعدہ کیا ہے۔

چین کا 'طویل عرصے تک چلنے والا کھیل'

تاریخی طور پر، ایران-اسرائیل اور ایران-امریکہ تنازع میں چین کا ہمیشہ سے ردِعمل بڑا نپا تلا رہا ہے۔

ہمارے نامہ نگار کا کہنا ہے کہ ماضی میں جب بھی ایران کے حوالے سے کوئی تنازع پیدا ہوا بشمول گذشتہ برس ہونے والی 12 روزہ اسرائیل-ایران جنگ کے دوران، چین نے ہمیشہ 'تحمل' کا مظاہرہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے 'بیرونی مداخلت' کا الزام لگاتا آیا جو کہ امریکی پالیسی کی جانب اشارہ ہے۔

ماضی میں ایران اور اسرائیل کے درمیان ہونے والے تنازعات کے دوران چین نے اقوامِ متحدہ کی سکیورٹی کونسل میں اپنے ویٹو پاور کا استعمال کرتے ہوئے یا اسے استعمال کرنے کی دھمکی دے کر چین تہران کی سفارتی ڈھال بنتا آیا ہے اور اس کے خلاف لائی جانے والی قراردادوں کو ناکام بنایا۔ تاہم چین نے کبھی براہ راست فوجی مداخلت کی پیشکش نہیں کی۔

ہمارے نامہ نگار کا کہنا ہے کہ بیجنگ کی حکمت عملی ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ امریکہ کو مشرق وسطیٰ میں الجھا کر رکھ دیا جائے۔ ساتھ وہ اس بات کا بھی خیال رکھتا ہے کہ اس سارے عمل کے نتیجے میں خطہ مجموعی تباہی کا شکار نہ ہو جائے بصورت دیگر تیل کی عالمی قیمتیں بڑھنے کا خدشہ رہتا ہے۔

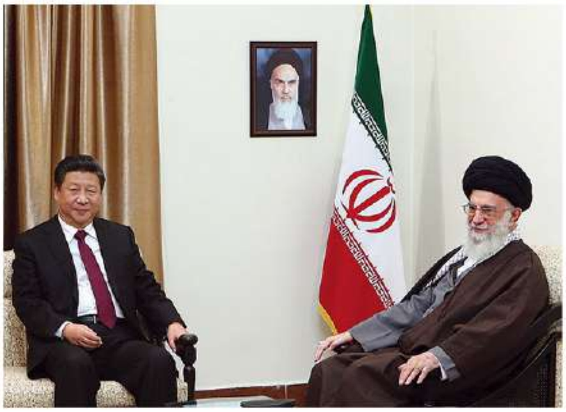

تہران میں اگر کوئی مغرب نواز حکومت برسرِ اقتدار آ گئی تو یہ چین کے لیے ایک تباہ کن جغرافیائی سیاسی شکست ہوگی، کیونکہ تہران نہ صرف چین کی توانائی کی ضروریات کو پورا کرتا ہے بلکہ سیاسی طور پر خطے میں امریکی اثر و رسوخ کا مقابلہ کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

ایران برکس اور شنگھائی تعاون تنظیم کا رکن ہے، اور وسطی ایشیا، قفقاز اور مشرق وسطیٰ کو جوڑنے والے ایک اہم جغرافیائی کنیکٹر کے طور پر کام کرتا ہے۔

ایرانی حکومت کے گرنے سے ان کثیرالجہتی میکانزم کی ساکھ کمزور پڑ سکتی ہے جنھیں ماسکو اور بیجنگ مضبوط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

خیال یہی کیا جا رہا ہے کہ اگر امریکہ اور اسرائیل ایران کے خلاف ایک بھرپور جنگ شروع نہیں کرتے اور ایرانی سرزمین پر اپنے فوجی نہیں بھیجتے تب تک وہاں کے سیاسی اور فوجی ڈھانچے کے خاتمے کا امکان کم ہے۔

بیجنگ اپنا معمول کا 'طویل عرصے کا کھیل' کھیلے گا جس کے تحت وہ اس شخص کے ساتھ تعاون جو خامنہ ای کی جگہ لے گا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ دوسری جانب جبکہ روس اپنے لیے مواقع تلاش کرے گا۔

بقیہ: ایران میں حکومت کی تبدیلی کی خواہش

لیکن کانگریس کے ساتھ عدم مشاورت نے ڈیموکریٹس اور خود ٹرمپ کی پارٹی کے اُن ارکان کو بھی ناراض کر دیا، جو امریکی حملوں کی مخالفت کرتے ہیں۔

سابق نائب صدر اور سنہ 2024 کی ڈیموکریٹک امیدوار کملا ہیرس نے ایک بیان میں کہا: 'ڈونلڈ ٹرمپ امریکہ کو ایک ایسی جنگ میں گھسیٹ رہے ہیں جسے امریکی عوام نہیں چاہتے۔ ٹرمپ کی اپنی پسند کی جنگ کے لیے ہماری فوج کو خطرے میں ڈالا جا رہا ہے۔'

سینیٹ کے اقلیتی رہنما چک شومر نے کہا کہ انتظامیہ نے کانگریس اور عوام کو 'خطرے کی حدود اور نوعیت کے بارے میں اہم تفصیلات' فراہم نہیں کیں۔ انھوں نے کہا: 'صدر ٹرمپ کا بے ربط غصہ اور وسیع تر تنازع کا خطرہ مول لینا کوئی قابل عمل حکمت عملی نہیں ہے۔'

ڈیموکریٹس کے اس سخت ردعمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹرمپ کو مشرق وسطیٰ میں نئی جنگ کے ساتھ ساتھ اندرون ملک ایک سیاسی لڑائی بھی لڑنی پڑ سکتی ہے، خاص طور پر جب نومبر کے اہم وسط مدتی انتخابات سے قبل پرائمری الیکشن شروع ہونے والے ہیں۔

دو باخبر ذرائع کے مطابق ڈیموکریٹس اتوار کی شام ایک اجلاس طلب کر رہے ہیں تاکہ فوجی مہم پر اپنا ردعمل طے کر سکیں۔

ہاؤس کے اقلیتی رہنما حکیم جیفریز نے کہا کہ ڈیموکریٹس آئندہ ہفتے ایران میں ٹرمپ کے جنگی اختیارات محدود کرنے کی قرارداد پر ووٹ کروانے کی کوشش دوبارہ شروع کریں گے۔

ایک سینئر ڈیموکریٹک معاون نے کہا: 'کسی دوسرے ملک کے لیڈر کو گرفتار کرنا تو آسان ہے، جیسے وینیزویلا میں کیا گیا، لیکن اس کے بعد کے دنوں میں آپ کیا کریں گے؟ انتظامیہ نے نہ کوئی حکمت عملی بیان کی ہے، نہ کوئی ہدف بتایا ہے۔'

ادھر ٹرمپ نے سنیچر کی صبح ایران کے بارے میں این بی سی کو بتایا کہ 'آخر کار وہ مجھے کال کریں گے اور پوچھیں گے کہ میں کسے (لیڈر) دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے میں صرف تھوڑا سا طنز کر رہا ہوں۔'

نومبر کے وسط مدتی انتخابات یہ طے کرنے کے لیے اہم ہیں کہ ٹرمپ اپنی باقی مدت صدارت میں کیا کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن جیسے ماضی کے صدور نے دیکھا، مشرق وسطیٰ میں غیر معمولی عسکری کارروائی شروع کرنے کا فیصلہ ان کے لیے کہیں گہرے اثرات کا حامل ہو سکتا ہے۔

ماہنامہ عوام بیورو کراچی

پیٹرول کا بم عوام پر، حکومتی عیاشیاں برقرار

پاکستانی معیشت اس وقت جس دباؤ سے گزر رہی ہے اس میں ہر حکومتی فیصلہ براہ راست عوام کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر گذشتہ رات پیٹرول کی قیمت میں یک دم فی لیٹر 55 روپے کے اضافے نے پہلے سے پریشان عوام پر مہنگائی کا ایک اور پہاڑ گرا دیا۔

یہ محض قیمت میں اضافہ نہیں بلکہ معیشت کے ہر پہیے کو مہنگا کرنے کا اعلان ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں پہلے ہی بجلی، گیس، آٹا اور بنیادی اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہوتی جا رہی ہوں، وہاں پیٹرول کی قیمت میں اتنا بڑا اضافہ دراصل مہنگائی کے ایک ایسے سلسلے کو جنم دیتا ہے، جو ٹرانسپورٹ سے لے کر خوراک، صنعت، زراعت اور روزمرہ زندگی کے ہر شعبے تک پھیل جاتا ہے۔

حکومت کو سمجھنا ہوگا کہ معاشی استحکام صرف قیمتیں بڑھانے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے انصاف پر مبنی پالیسیوں اور جرات مندانہ اصلاحات کی ضرورت ہوتی ہے

پاکستان میں پیٹرول صرف گاڑیوں کے لیے استعمال ہونے والا ایندھن نہیں بلکہ پورے معاشی ڈھانچے کی بنیاد ہے۔

جب پیٹرول مہنگا ہوتا ہے تو سب سے پہلے ٹرانسپورٹ مہنگی ہوتی ہے، اس کے بعد اشیائے خورونوش کی قیمتیں بڑھتی ہیں، کسان کے لیے کھاد اور فصل کی ترسیل مہنگی ہو جاتی ہے، مزدور کے سفر کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور صنعت کار اپنی پیداواری لاگت میں اضافہ عوام پر منتقل کر دیتا ہے۔

اس طرح ایک پیٹرول بم پورے معاشرے میں مہنگائی کی لہر پیدا کر دیتا ہے، جس کی قیمت سب سے زیادہ غریب اور متوسط طبقہ ادا کرتا ہے۔

ہمیں سفر مہنگا کیوں پڑتا ہے؟

اصل سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر سنجیدہ اور عوام دوست پالیسی سازی کی جاتی تو کئی ایسے متبادل راستے موجود تھے، جنہیں اختیار کر کے عوام کو ریلیف دیا جا سکتا تھا۔

سب سے پہلے تو حکمران طبقے اور بیوروکریسی کو ملنے والی شاہانہ مراعات کا خاتمہ کیا جا سکتا تھا۔ پاکستان میں ہزاروں سرکاری افسران اور حکومتی عہدے داروں کو مفت پیٹرول، سرکاری گاڑیاں اور بے شمار سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔

یہ مراعات قومی خزانے پر اربوں روپے کا بوجھ ڈالتی ہیں۔ اگر حکومت واقعی معاشی بحران کا مقابلہ کرنا چاہتی تو سب سے پہلے ان مراعات کو ختم کرتی۔

ایک ایسے ملک میں جہاں عام شہری کو پیٹرول خریدنے کے لیے اپنی آمدنی کا بڑا حصہ خرچ کرنا پڑتا ہو، وہاں سرکاری عہدے داروں کو مفت پیٹرول فراہم کرنا معاشی انصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔

حکومت کے پاس ایک اور مؤثر راستہ جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے اخراجات کم کرنے کا بھی تھا۔ دنیا کے کئی ممالک میں اب سرکاری اداروں اور نجی کمپنیوں میں ورک فرام ہوم کا نظام رائج ہو چکا ہے۔

اگر پاکستان میں بھی سرکاری دفاتر کے کچھ حصوں میں ہفتے کے چند دن گھر سے کام کرنے کی پالیسی اپنائی جائے تو روزانہ لاکھوں گاڑیوں کے سفر میں کمی آسکتی ہے۔

اس سے نہ صرف پیٹرول کی کھپت کم ہوگی بلکہ ٹریفک کے مسائل اور فضائی آلودگی میں بھی کمی آئے گی۔

اسی طرح اگر سرکاری اجلاسوں اور انتظامی امور کو زیادہ سے زیادہ آن لائن منتقل کیا جائے تو سرکاری گاڑیوں کے بے تحاشا استعمال کو کم کیا جا سکتا ہے۔

تعلیم کے شعبے میں بھی جدید طریقوں کو اپنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ پاکستان میں لاکھوں طلبہ روزانہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں تک پہنچنے کے لیے طویل سفر کرتے ہیں، جس کے لیے بڑی مقدار میں پیٹرول استعمال ہوتا ہے۔

اگر تعلیمی اداروں میں ہائبرڈ یا آن لائن تعلیم کا جزوی نظام متعارف کروایا جائے تو اس سے ٹرانسپورٹ کے اخراجات اور ایندھن کے استعمال میں نمایاں کمی آسکتی ہے۔

دنیا کی بڑی جامعات پہلے ہی اس ماڈل کو اپنا چکی ہیں جہاں کچھ لیکچر آن لائن اور کچھ کلاس روم میں ہوتے ہیں۔ اس طریقے سے نہ صرف اخراجات کم ہوتے ہیں بلکہ طلبہ کو جدید تعلیمی سہولیات بھی میسر آتی ہیں۔

اسی طرح حکومت کے پاس ایک بڑا راستہ ٹیکس نظام میں اصلاحات کا بھی تھا۔ پاکستان میں ٹیکس کا زیادہ بوجھ ہمیشہ عام شہری پر ڈالا جاتا ہے جبکہ بڑے جاگیردار، رئیل سٹیٹ کے بڑے کھلاڑی اور طاقتور کاروباری گروہ اکثر ٹیکس نیٹ سے باہر رہتے ہیں۔

اگر حکومت سنجیدگی سے ان طبقات کو ٹیکس کے دائرے میں لاتی تو قومی خزانے کو اربوں روپے کا اضافی ریونیو حاصل ہو سکتا تھا، مگر بدقسمتی سے طاقتور طبقات کو چیلنج کرنے کی بجائے ہمیشہ وہ راستہ اختیار کیا جاتا ہے جس کا بوجھ براہ راست عوام پر پڑتا ہے۔

سرکاری اداروں کی بدانتظامی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ پاکستان کے کئی سرکاری ادارے ہر سال سینکڑوں ارب روپے کا خسارہ دیتے ہیں۔ ان اداروں میں سیاسی مداخلت، بدعنوانی اور غیر ضروری اخراجات عام ہیں۔

اگر حکومت ان اداروں میں شفافیت لانے اور میرٹ پر انتظامیہ مقرر کرنے کے لیے سنجیدہ اصلاحات کرتی تو قومی خزانے پر پڑنے والا بھاری بوجھ کم ہو سکتا تھا،

مگر اصلاحات کے اس مشکل مگر ضروری راستے کی بجائے عوام پر پیٹرول مہنگا کرنے کا آسان مگر غیر مقبول فیصلہ مسلط کر دیا گیا۔

توانائی کے متبادل ذرائع کی طرف سنجیدہ توجہ دینا بھی وقت کی ضرورت ہے۔ دنیا تیزی سے شمسی اور ہوا سے پیدا ہونے والی توانائی کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اگر پاکستان گذشتہ برسوں میں قابل تجدید توانائی کے منصوبوں پر مستقل مزاجی سے کام کرتا تو آج درآمدی ایندھن پر انحصار اتنا زیادہ نہ ہوتا۔ مگر یہاں توانائی کی پالیسیوں میں تسلسل کا فقدان رہا جس کا نتیجہ آج عوام مہنگائی کی صورت میں بھگت رہے ہیں۔

پیٹرول کی قیمت میں اتنا بڑا اضافہ دراصل ریاست اور عوام کے درمیان اعتماد کے رشتے کو بھی متاثر کرتا ہے۔

جب عوام کو یہ محسوس ہونے لگے کہ معاشی بحران کا بوجھ صرف ان کے کندھوں پر ڈالا جا رہا ہے جبکہ حکمران طبقہ اپنی مراعات برقرار رکھے ہوئے ہے تو معاشرے میں بے چینی اور مایوسی بڑھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج پاکستان میں مہنگائی صرف ایک معاشی مسئلہ نہیں بلکہ ایک بڑا سماجی اور سیاسی چیلنج بن چکی ہے۔

حکومت کو سمجھنا ہوگا کہ معاشی استحکام صرف قیمتیں بڑھانے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے انصاف پر مبنی پالیسیوں اور جرات مندانہ اصلاحات کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر حکمران واقعی عوام کو ریلیف دینا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنی مراعات کم کرنا ہوں گی، مفت پیٹرول اور شاہانہ سہولیات کو ختم کرنا ہوگا، جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے ورک فرام ہوم اور آن لائن نظام کو فروغ دینا ہوگا، طاقتور طبقات کو ٹیکس نیٹ میں لانا ہوگا اور سرکاری اداروں کی اصلاح کرنی ہوگی۔

بصورت دیگر پیٹرول کی قیمتوں میں ہر نیا اضافہ مہنگائی کے ایک نئے طوفان کو جنم دیتا رہے گا اور اس طوفان میں سب سے زیادہ متاثر وہی عام پاکستانی ہوں گے، جو پہلے ہی معاشی مشکلات کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔

’میں نے میزائل تباہ ہوتے اور عمارتوں سے دھواں نکلتے دیکھا‘

کیا دبئی ایک محفوظ مقام ہونے کا درجہ کھو رہا ہے؟

دبئی کی فضا میں اڑتے ہوئے میزائل دیکھ کر ہوفت گولان کو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب اُن کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

اسرائیلی کینیڈین نژاد انفلوئنسر نے بی بی سی کو بتایا کہ ’ہمیں یوں میزائلوں کو انٹرسیپٹ (روکتے اور تباہ کرتے ہوئے) دیکھنے کی عادت نہیں ہے۔ مگر میں نے حالیہ دنوں میں ایسا ہوتے ہوئے دیکھا اور عمارتوں سے دھواں نکلتے ہوئے بھی۔‘

دبئی میں انفلوئنسرز کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور اُن میں سے ایک ہوفت گولان بھی ہیں جنھوں نے متحدہ عرب امارات پر داغے جانے والے ایرانی ڈرونز اور میزائلوں کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال پر خوف کا اظہار کیا ہے۔

ایران کی جانب سے گذشتہ چار روز سے یہ میزائل اور ڈرون امریکہ اور اسرائیل کے مشترکہ حملوں کے ردعمل کے طور پر داغے جا رہے ہیں۔

اگرچہ ان میزائلوں اور ڈرونز کی اکثریت کو ہدف تک پہنچنے سے قبل ہی انٹرسیپٹ یعنی فضا میں روکا گیا، مگر بہت سے اہداف تک پہنچنے میں کامیاب رہے جس کے بعد دبئی کی بہت سی مشہور عمارتوں کو نقصان پہنچا ہے جن میں پام جمیرا کے علاقے میں موجود دی پالم ہوٹل اور برج العرب ہوٹل بھی شامل ہیں۔

دبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ اور ابوظہبی کے زاید انٹرنیشنل ایئرپورٹ کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے اور یہاں ایک شخص کی ہلاکت بھی ہوئی ہے۔

دبئی نے کئی سال سے اپنی شہرت ایک ایسی جگہ کے طور پر بنائی ہے جو گلیمر سے بھرپور ہے اور سیاحت کے ساتھ ساتھ کاروباری شخصیات کے لیے ایک اہم مرکز ہے۔ غیر مستحکم مشرق وسطیٰ کے خطے میں بہت سے لوگ دبئی کا انتخاب رہائش کے لیے بھی کرتے ہیں۔

لیکن موجودہ صورتحال میں دبئی میں رہائش پذیر ارابیلا چی، جو لو وآئی لینڈ میں شریک رہی ہیں، نے متحدہ عرب امارات پر ہونے والے حملوں کو ’خوفناک‘ قرار دیا ہے۔

برطانوی ماڈل اور انفلوئنسر پیٹرا ایکلسٹون نے کہا کہ ’ہم یہاں محفوظ محسوس کرنے آئے تھے اور جب ایسا محسوس ہونے لگا تھا تو یہ سب ہو گیا۔‘

انگلینڈ کے سابق فٹبالر ریو فرڈینینڈ نے اپنے شو پر بات کرتے ہوئے کہا کہ ’یہ خوفناک ہے کہ آپ میزائل، لڑاکا طیاروں کی آوازیں سُنتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کیا ہو رہا ہے، ہمارے اوپر، اور آپ کو بمباری کی آواز آتی ہے، اور ہمیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے۔‘

تاہم انھوں نے کہا کہ وہ اب بھی دبئی میں غیر محفوظ محسوس نہیں کر رہے۔ دبئی میں موجود بہت سے انفلوئنسرز متحدہ عرب امارات کی حکومت کی تعریف بھی کر رہے ہیں۔

یاد رہے کہ متحدہ عرب امارات میں حکومت پر تنقید غیر قانونی سمجھی جاتی ہے۔ منگل کے دن دبئی کی پولیس نے سوشل میڈیا پر لکھا کہ ’افواہیں، غلط معلومات یا ایسا مواد جو سرکاری موقف کی تردید کرتا ہو یا مفاد عامہ کو خطرے میں ڈالتا ہو یا عوام کو پریشان کرنے کا سبب بنے، شیئر کرنا منع ہے اور خلاف ورزی کرنے پر دو لاکھ درہم تک جرمانہ یا قید کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔‘

اس کے باوجود غیر ملکی کمیونٹی میں بہت سے لوگ سوال کر رہے ہیں کہ کیا دبئی ایک محفوظ مقام کا درجہ کھو چکا ہے اور کیا اب اپنی پرانی شہرت بحال کر پائے گا؟

متحدہ عرب امارات کی وزارت دفاع کے مطابق اب تک 174 بیلسٹک میزائل، آٹھ کروز میزائل اور 700 کے قریب ڈرون ملک کی جانب آتے دیکھے گئے جن کی اکثریت کو روک لیا گیا۔

کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر یاسر الشثاوی کا کہنا ہے کہ ’دبئی کی بطور ترقی یافتہ اور جدید شہر کی بہترین شہرت کو دھچکہ لگا ہے۔‘

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ’جب آپ شہر میں دھویں کے بادل دیکھتے ہیں، دھماکوں کی آوازیں سنتے ہیں، تو سکیورٹی اور حفاظت کی تصویر ختم ہو جاتی ہے۔‘

دبئی میں 20 سال تک رہائش پذیر رہنے والے یاسر کہتے ہیں کہ ’اگر نقصان زیادہ نہ بھی ہو تو فیئرمونٹ ہوٹل جیسی عمارات ایک ایسے شہر کی علامت ہیں جہاں امیر لوگ سرمایہ کاری محفوظ طریقے سے کر سکتے ہیں۔‘ ان کے مطابق اس شہرت کو پہنچنے والے نقصان کا ازالہ ہونے میں کئی سال لگیں گے۔

کولمبیا یونیورسٹی کی ہی کیرن ینگ جو سینٹر فار گلوبل انرجی پالیسی میں سینیئر ریسرچ سکالر ہیں کہتی ہیں کہ ایران کی جانب سے ان مقامات کو نشانہ بنانے کا فیصلہ ’غیر معمولی تھا۔‘

چھ سال تک دبئی میں رہنے والی کیرن کا کہنا ہے کہ ’بہت سے لوگوں کے لیے یہ سوچنا ناممکن ہو گا کہ سیاحت کا انفراسٹرکچر بھی نشانہ بن سکتا ہے۔‘

تاہم ہوفت گولان، جو خود کو ٹی وی شخصیت کہتی ہیں، کے خیال میں دبئی کی شہرت زیادہ نہیں بدلے گی۔ وہ کہتی ہیں کہ ’ہم نے دیکھا ہے کہ دبئی کا فضائی دفاع کتنا مضبوط ہے۔‘ ان کا کہنا تھا کہ وہ سوموار کو شاپنگ مال گئی تھیں جہاں معمول سے کچھ کم رش تھا لیکن پھر بھی بہت سے لوگ تھے۔ ہوفت کہتی ہیں کہ وہ جس جزیرے پر رہتی ہیں وہاں لوگ حملے کے بعد بھی سمندر میں تیراکی کر رہے تھے۔ دبئی کی رہائشی افشاں فاروقی بھی خود کو غیر محفوظ نہیں سمجھ رہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ’اس سب کے باوجود میں خود کو محفوظ سمجھتی ہوں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ انسان کو پریشانی ہوتی ہے لیکن روزمرہ کے کام ہو رہے ہیں، سکول کھلے ہوئے ہیں اور لوگ باہر نکل رہے ہیں۔‘

انڈیا سے تعلق رکھنے والی افشاں کہتی ہیں کہ ’ہم خوف میں نہیں جی رہے۔‘

دبئی میں ہونے والے حملوں سے چند گھنٹے قبل ہی یہاں پہنچنے والے ول بیلی کہتے ہیں کہ ’دبئی میزائل روکنے کا بہت اچھا کام کر رہا ہے اور عوام کو آگاہ رکھے ہوئے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔‘

تاہم برطانیہ سے تعلق رکھنے والے فٹنس انفلوئنسر کا کہنا ہے کہ اب وہ اپنے کوچنگ کاروبار کو دبئی منتقل کرنے پر دوبارہ غور کریں گے۔

بی بی سی عربی سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ’سب کچھ بدل گیا ہے۔ اب ہم اس صورت حال کے بیچ میں ہیں۔‘

ان کا کہنا تھا کہ ’میں نہیں جانتا کہ میں یہاں رہوں گا یا واپس چلا جاؤں گا۔‘

’اس وقت میں نہیں جانتا۔ فی الحال تو انتظار کرنا ہے اور دیکھنا ہے کہ کیا ہوتا ہے۔‘

ماہ رمضان کرنے کے کام

بہت سے لوگ اس پہلو سے واقف ہی نہیں کہ یہ ہم دردی کا مہینہ ہے

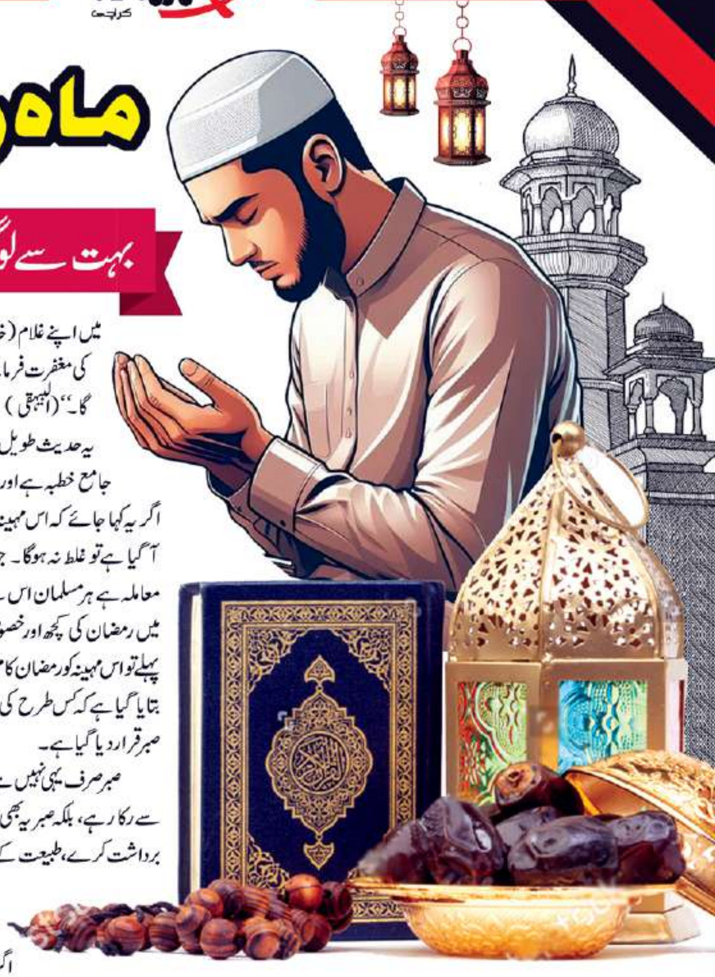

رمضان کا مہینہ کس قدر بابرکت ہے، اس کا اندازہ کرنا ہو تو سرکار دو عالم ﷺ کا یہ خطبہ ملاحظہ کیجیے جو آپ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ کو ارشاد فرمایا۔

حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ شعبان کے آخری دن سرکار دو عالم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا، مفہوم: اے لوگو! تمہارے اوپر ایک عظیم اور بابرکت مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، اس مہینہ کی ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام کو نفلی عبادت قرار دیا ہے، جو شخص اس مہینہ میں نفلی عبادت کے ذریعے تقرب الٰہی کا طلب گار ہوگا، اُس کو رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں کے فرض کے برابر ثواب ملے گا اور جو شخص اس مہینہ میں فرض عبادت ادا کرے گا اس کو دوسرے دنوں کی ستّر فرض عبادتوں کا ثواب ملے گا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ ہم دردی اور غم خواری کا مہینہ ہے۔

یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جو شخص اس مہینہ میں کسی کو روزہ افطار کرائے گا، اُس کا یہ عمل اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب اور دوزخ کی آگ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزے دار کے ثواب میں کمی کیے بغیر روزے دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کے اندر افطار کرانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو بھی یہ ثواب عطا فرمائے گا جو کسی روزہ دار کو ایک کھجور، پانی کے ایک گھونٹ یا تھوڑی سی لسّی سے افطار کرادے، یہ ایسا مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ دوزخ سے نجات ہے، جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام (خادم، ملازم) کے کام میں کمی کرے گا، اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے دوزخ سے آزادی عطا کرے گا۔" (البیہقی)

یہ حدیث طویل ہے، ہم نے یہاں مختصر نقل کی ہے، یہ ایک جامع خطبہ ہے اور اس میں گویا رمضان کی تمام خصوصیات بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس مہینہ میں کیے جانے والے تمام اعمال کا خلاصہ آگیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ جہاں تک رمضان کے روزوں کی فضیلت کا معاملہ ہے ہر مسلمان اس سے اچھی طرح واقف ہے، لیکن اس حدیث میں رمضان کی کچھ اور خصوصیتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، سب سے پہلے تو اس مہینہ کو رمضان کا مہینہ کہہ کر اس کی عبادتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح کی عبادتوں پر کس طرح کا اجر ہے، پھر اسے ماہِ صبر قرار دیا گیا ہے۔

صبر صرف یہی نہیں ہے کہ انسان بھوک پیاس کے باوجود کھانے پینے سے رکا رہے، بلکہ صبر یہ بھی ہے کہ دوسروں کی اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے، طبیعت کے تقاضے کے باوجود کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ کان، آنکھ، زبان تمام اعضاء کو ایسے کاموں سے روکے جن میں اگرچہ بڑا مزہ ہے، بڑی لذت ہے مگر وہ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ یہی صبر ہے اور اسی پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس مہینہ کو ہم دردی اور غم خواری کا مہینہ بھی قرار دیا گیا ہے اور اس میں مومن کے رزق میں برکت بھی دے دی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں مواسات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کے ساتھ ہم دردی سے پیش آنا اور دوسرے کی غم خواری کرنا، ہم مواسات کس طرح کریں۔

مذکورہ بالا حدیث میں اس کی دو مثالیں اور دو کیفیتیں بھی بیان کردی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ ہم خود ہی روزہ افطار نہ کریں بلکہ ہو سکے تو دوسروں کو بھی افطار کرادیں، اس کی ہمت نہ ہو تو لسّی کے چند گھونٹ ہی پلادیں، یہ بھی ممکن نہ ہو تو پانی سے افطار کرادیں، حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود تو ہر طرح کی نعمتوں سے روزہ افطار کریں اور جو لوگ ضرورت مند ہیں ان کو ایک کھجور کھلا کر اور ایک گلاس پانی پلا کر یہ سوچیں کہ ہم نے روزہ افطار کرا کے بڑا ثواب کما لیا ہے۔ دوسرا سبق یہ دیا گیا ہے کہ اپنے ماتحتوں، ملازموں اور نوکروں سے عام دنوں کے مقابلے میں کام کم لیں آخر وہ بھی روزہ سے ہیں، روزہ کی حالت میں ہمتیں جواب دے جاتی ہیں، بھوک پیاس کے احساس کے ساتھ کام سے طبیعت اُچاٹ ہوجاتی ہے، اگر ان کے ساتھ ہم دردی کی جائے اور ان کی مفوضہ ذمہ داریوں میں تخفیف کردی جائے تو یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

مومن کے رزق میں اضافہ کی مصلحت بھی یہی ہوسکتی ہے کہ وہ خود بھی کھائے، اپنے اہل و عیال کے لیے بھی دسترخوان کو وسعت دے اور ضرورت مند رشتہ داروں، دوستوں اور پڑوسیوں کا بھی خیال رکھے۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آچکا ہے تم اس کے لیے نیت پہلے ہی درست کرلو، اس مہینہ میں (اپنے اور اپنے اہل و عیال کے) نان نفقہ میں فراخی کرو۔ (کنز العمال) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں نان نفقہ کے متعلق وسعت سے کام لو کیوں کہ اس مہینہ میں (اپنی ذات پر اور اہل و عیال پر) خرچ کرنا ایسا ہے جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ (الجامع الصغیر)

رمضان کو مواسات، ہم دردی اور غم خواری کا مہینہ قرار دینا، اپنے آپ میں ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ روایات میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ رمضان کے مہینہ میں قیدیوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور ہر مانگنے والے کو دیا کرتے تھے۔ (بیہقی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ سے ملاقات کرتے تھے تو آپؐ اور زیادہ سخی اور فیاض ہوجاتے تھے۔ آپ ﷺ بھلائی اور خیر کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ فیاضی اور سخاوت فرماتے تھے۔ (بخاری)

ہم میں سے بہت سے لوگ رمضان کے اس پہلو سے واقف ہی نہیں ہیں کہ یہ ہم دردی کا مہینہ ہے، ہم روزے بھی رکھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، تراویح کی نماز بھی مستعدی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے ہیں، لیکن اس مہینہ کا جو پیغام ہے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، یقیناً یہ تمام کام اجر و ثواب کے ہیں اور ہر ایک عمل پر ہمیں ستّر گنا ثواب ملنے والا ہے، لیکن یہ ثواب تو صرف ہمیں ملے گا ہمارے ذریعہ دوسروں کو اس ماہ مبارک میں کتنا فائدہ پہنچا، ہم نے رمضان کی مقدس ساعتوں میں کبھی اس سوال پر غور کیا۔۔۔؟

اس مہینے میں اللہ کی رحمتوں کی وجہ سے اور عبادتوں کے تسلسل کے باعث ہمارے دلوں میں نرمی پیدا ہوجاتی ہے، طبیعت خیر کے کاموں کی طرف مائل ہونے لگتی ہے، ہمیں اپنے دلوں کی اس نرمی اور خیر کی طرف طبیعتوں کے اس میلان سے اس ماہ مقدس میں پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، اور فائدہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں ہمارے عزیز و اقارب میں، اپنے حلقہ تعارف میں اور پاس پڑوس کے مکانوں میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی کم آمدنی کے باعث اس مہینہ کی ظاہری نعمتوں سے مستفید نہیں ہوسکتے، کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ ہمارے دسترخوان پر ہمہ اقسام کی نعمتیں سجی ہوئی ہوں اور انواع و اقسام کے کھانے رکھے ہوئے ہوں دوسری طرف ہمارے قریب کے کچھ لوگ نان جویں کو بھی محتاج ہوں یا روکھا سوکھا کھا کر پیٹ بھر رہے ہوں۔ اس کے بعد عید سر پر ہے ہماری ذمہ داری ہے کہ عید کی مسرتوں میں ان لوگوں کو بھی شریک کرلیں جو اپنی تنگ دستی کے سبب اس دن بھی روز کی طرح نظر آنے والے ہیں اور رمضان کو ہم دردی اور غم خواری کا مہینہ بلاوجہ قرار نہیں دیا گیا، اس میں صاحب حیثیت مسلمانوں کے لیے ایک پیغام ہے کہ ضرورت مند انسانیت کے ساتھ ہم دردی اور غم خواری بھی اس ماہ مبارک کی ایسی ہی عبادت ہے جس پر ستّر گنا اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ایپسٹین فائلز: طاقت کا جال

خاموشی، استحصال اور عالمی اشرافیہ کی پردہ پوشی سوال جو دفن کر دیے گئے، کیا عالمی نظام خود کٹہرے میں ہے؟

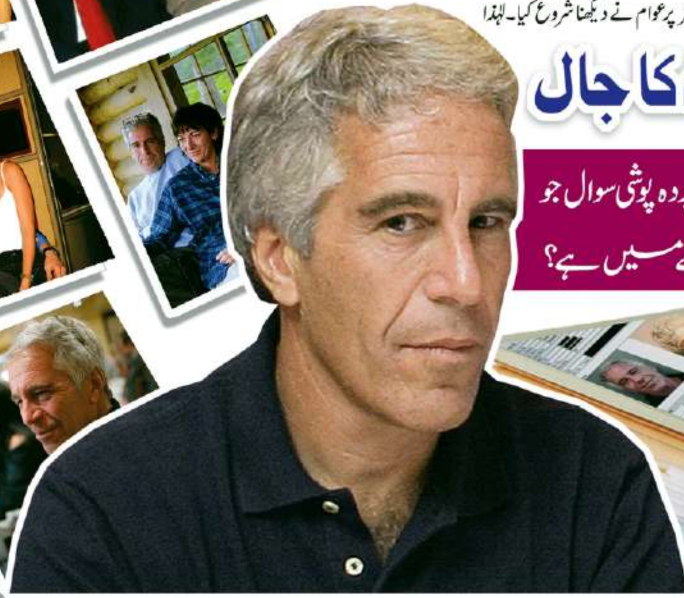

یہاں اپسٹین فائلز کا جامع اور واضح خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ یہ فائلز کیا ہیں اور کیوں اور کیسے منظرِ عام پر آئیں۔

اپسٹین فائلز کیا ہیں؟

اپسٹین فائلز جیفری اپسٹین کے مقدمات، قانونی دستاویزات، اور اس کے نیٹ ورک کے حوالے سے شواہد کا مجموعہ ہیں۔ یہ فائلز بنیادی طور پر اس بات کی تفصیل دیتی ہیں کہ کیسے جیفری اپسٹن نامی سرمایہ دار نے دنیا کے بااثر اور نہایت امیر کبیر لوگوں کو عیاشی کی سہولتیں فراہم کرنا کے کالے دھندے کے ذریعے دولت کماتا اور تعلقات بناتا تھا، اور کون کون اس کے اس قبیح کاروبار سے مستفید ہوتا رہا۔

جیفری اپسٹین کون تھا

ایک امریکی سرمایہ دار، سرمایہ کاری کے ماہر اور مالیاتی دنیا سے جڑا ہوا شخص۔ اس پر بہت سے کم عمر لڑکیوں کے جنسی استحصال اور انسانی اسمگلنگ کے الزامات تھے۔ 23 جولائی 2019 کو دوران قید وہ پراسرار طور پر مردہ پایا گیا۔

اپسٹین کا نیٹ ورک

فائلز میں ایسے افراد اور سیاسی، کاروباری، اور عالمی شخصیات کے نام شامل ہیں جو اپسٹین کے ساتھ رابطے میں تھے۔ کچھ افراد پر براہِ راست الزامات نہیں ہیں، لیکن فائلز یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اس کے حلقے میں شامل تھے۔

مقدمات اور قانونی کارروائیاں

اپسٹین پر 2008 میں پہلے مقدمات ہوئے، لیکن اسے ایک ہلکی سزا دی گئی۔ 2019 میں دوبارہ گرفتار کیا گیا، اور نئے الزامات میں کم عمر لڑکیوں کے جنسی استحصال اور انسانی اسمگلنگ شامل تھے۔ اس کی موت 2019 میں جیل میں مشکوک حالات میں ہوئی، جس نے بہت سے سوالات کو جنم دیا۔

یہ فائلز کیوں اہم ہیں

اپسٹین فائلز کی اہمیت چند وجوہات کی بنا پر ہے:

یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کس طرح طاقت ور افراد اور سیاست داں قانونی اور سماجی دائرے میں رہتے ہوئے اخلاقی اور قانونی حدوں سے تجاوز کر سکتے ہیں۔

فائلز بتاتی ہیں کہ بعض مقدمات میں قانونی نظام نے کتنی آسانی سے بڑے جرائم کو نظر انداز کیا یا چھوٹ دی۔

ان فائلز نے دنیا بھر میں یہ سوال اٹھایا کہ کیا امیر اور طاقتور افراد کے لیے قانون یکساں طور پر نافذ ہوتا ہے؟ یہ معاملہ میڈیا اور سوشل میڈیا کے پلیٹ فارمز پر بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔

اپسٹین فائلز کیسے منظر عام پر آئیں؟

مختلف عدالتوں اور تحقیقات کے دوران کچھ دستاویزات عدالت کے ذریعے عوام کے لیے جاری کی گئیں۔

بڑے نیوز چینلز اور تحقیقی صحافیوں نے دستاویزات حاصل کر کے تجزیہ اور رپورٹ شائع کیں۔ کچھ فائلز لیک ہو گئیں، جنہیں ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر عوام نے دیکھنا شروع کیا۔ لہٰذا اپسٹین فائلز صرف ایک شخص کے جرائم کی تفصیل نہیں بلکہ عالمی طاقت، دولت، قانونی کم زوری، اور اخلاقیات کے ٹکراؤ کی علامت ہیں۔

یہ ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ احتساب اور شفافیت کتنی ضروری ہیں، چاہے معاملہ کسی بھی طاقت ور شخصیت سے متعلق ہو۔

اپسٹن فائلز اسکینڈل کے مرکز و محور جیفرے اپسٹین کی شخصیت بظاہر ایک تضاد سے عبارت تھی۔ نہ وہ کسی منتخب حکومت کا رکن تھا، نہ کسی بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کا سربراہ، نہ کسی مذہبی یا فکری تحریک کا قائد، مگر اس کے روابط دنیا کے ان حلقوں تک پھیلے ہوئے تھے جہاں فیصلے ہوتے ہیں، پالیسیاں تشکیل پاتی ہیں اور عالمی سمتوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہی تضاد دراصل اس پورے معاملے کی کلید ہے۔ اپسٹین طاقت کا مالک نہیں تھا، مگر طاقت تک اس کی رسائی غیر معمولی تھی، اور یہی رسائی اسے قانون، اخلاق اور انسانی اقدار سے بالاتر دکھائی دیتی ہے۔

یہ سوال بار بار ذہن میں ابھرتا ہے کہ اگر اپسٹین کے خلاف الزامات اتنے سنگین اور مسلسل تھے تو پھر ابتدائی مرحلے میں فیصلہ کن کارروائی کیوں نہ ہو سکی؟ اس سوال کا جواب کسی ایک عدالت، کسی ایک تفتیشی افسر یا کسی ایک سیاسی شخصیت میں تلاش کرنا ایک سادہ لوحی ہوگی۔ ''اپسٹین فائلز'' اس جانب اشارہ کرتی ہیں کہ مسئلہ کسی ایک فرد یا ادارے کی نیت کا نہیں بلکہ پورے نظام کی ترجیحات کا ہے۔ جہاں طاقتور حلقوں کے مفادات داؤ پر لگ جائیں، وہاں انصاف کا پہیہ دانستہ طور پر سست کر دیا جاتا ہے۔

یہ فائلز اس تصور کو بھی چیلنج کرتی ہیں کہ مغربی جمہوریتیں ہمیشہ قانون کی بالادستی کی مثال ہوتی ہیں۔ اپسٹین کے معاملے میں بار بار ایسے قانونی معاہدے سامنے آئے جنہوں نے اسے مکمل احتساب سے بچائے رکھا۔ یہ معاہدے محض قانونی دستاویزات نہیں تھے بلکہ طاقت کے عدم توازن کی عملی شکل تھے۔ یہاں قانون انصاف کے لیے نہیں بلکہ نقصان کو محدود رکھنے کے لیے استعمال ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قانون اور اخلاقیات کے درمیان فاصلہ واضح ہو جاتا ہے۔

اپسٹین کے نیٹ ورک میں شامل استحصالی سرگرمیوں کا سب سے تاریک پہلو کم عمر لڑکیوں کا استعمال تھا، جنہیں طاقت ور افراد کی خواہشات کی نذر کیا گیا۔ ''اپسٹین فائلز'' میں موجود شواہد اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ کسی اچانک لغزش یا انفرادی بگاڑ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایک منظم، مسلسل اور محفوظ نظام کے تحت جاری رہا۔ یہ نظام اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب خاموشی خریدی جا سکے، خوف پیدا کیا جا سکے اور انصاف کو مؤخر رکھا جا سکے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اپسٹین کے اردگرد موجود افراد میں سے بہت سے لوگ خود کو انسانی حقوق، خواتین کے وقار اور جمہوری اقدار کے علم بردار کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ یہ تضاد ''اپسٹین فائلز'' کو محض ایک فوج داری دستاویز کے بجائے ایک اخلاقی فردِ جرم میں تبدیل کر دیتا ہے۔ سوال یہ نہیں رہتا کہ جرم ہوا یا نہیں، بلکہ یہ بن جاتا ہے کہ وہ کون سا اخلاقی خلا ہے جس میں ایسے جرائم پنپتے ہیں اور سماجی قبولیت حاصل کر لیتے ہیں۔

اپسٹین کی زندگی ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جدید دنیا میں معلومات خود ایک طاقت ہے۔ اس کے پاس موجود راز، تعلقات اور شواہد اسے صرف ایک مجرم نہیں بلکہ ایک خطرناک فریق بنا دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے خلاف کارروائی ہمیشہ محتاط، محدود اور کنٹرولڈ رہی۔ ''اپسٹین فائلز'' کے مطالعے سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ وہ خود بھی اس نظام کا حصہ تھا جس میں راز ایک دوسرے کو یرغمال بنانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

یہ پورا معاملہ ہمیں اس بنیادی سوال کی طرف لے جاتا ہے کہ کیا انصاف واقعی سب کے لیے برابر ہے؟ یا پھر یہ صرف ان لوگوں کے لیے ایک حقیقت ہے جو طاقت کے دائرے سے باہر ہیں؟ اپسٹین کا کیس اس سوال کا کوئی خوش کن جواب نہیں دیتا۔ بلکہ یہ دکھاتا ہے کہ جدید دنیا میں انصاف اکثر طاقت کے تابع ہو چکا ہے، اور قانون کا اصل امتحان وہاں ناکام ہو جاتا ہے جہاں اسے سب سے زیادہ مضبوط ہونا چاہیے۔

''اپسٹین فائلز'' ہمیں ایک آئینہ دکھاتی ہیں، مگر یہ آئینہ کسی ایک

معاشرے یا ایک ملک تک محدود نہیں۔ یہ ایک عالمی عکس ہے، جس میں ترقی یافتہ ریاستوں کے دعوے، اخلاقی خطابات اور انسانی حقوق کے نعرے اپنی اصل شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہ فائلز ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ جب تک طاقت کا احتساب ممکن نہیں بنایا جاتا، تب تک انصاف ایک نظری تصور ہی رہے گا، عملی حقیقت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جیفری اپسٹین کا معاملہ محض ایک اسکینڈل نہیں بلکہ ایک فکری امتحان ہے۔ یہ امتحان ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم طاقت، قانون اور اخلاقیات کے باہمی تعلق پر ازسرِ نو غور کریں۔ اگر ہم اسے محض ایک فرد کی بدعنوانی کہہ کر آگے بڑھ جائیں تو دراصل ہم اسی نظام کو تقویت دیں گے جس نے ایسے کردار کو جنم دیا۔ ''اپسٹین فائلز'' کا اصل تقاضا یہی ہے کہ سوال فرد سے اٹھا کر نظام تک لے جایا جائے، کیوں کہ جب تک نظام جواب دہ نہیں ہوگا، اپسٹین جیسے نام تاریخ میں بار بار دہرائے جاتے رہیں گے۔

اپسٹین اسکینڈل کا سب سے زیادہ چونکا دینے والا پہلو اس کی طوالت نہیں بلکہ وہ مسلسل چشم پوشی ہے جو برسوں تک اختیار کی جاتی رہی۔ ''اپسٹین فائلز'' کا مطالعہ یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ جرم صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب اس کے لیے جگہ پیدا کی جائے، اور یہ جگہ عموماً ادارہ جاتی کم زوری، قانونی ابہام اور سیاسی مصلحتوں کے امتزاج سے وجود میں آتی ہے۔ اپسٹین کے خلاف ابتدائی شواہد اور شکایات کسی خفیہ گوشے میں دفن نہیں تھیں، بلکہ وہ باقاعدہ ریاستی اداروں کے علم میں تھیں، مگر اس علم نے عمل کی صورت اختیار نہیں کی، اور یہی وہ مقام ہے جہاں انصاف ایک نظری اصول سے ہٹ کر طاقت کے تابع نظر آتا ہے۔

امریکی عدالتی اور تفتیشی نظام، جو خود کو دنیا میں انصاف کی ایک مثال کے طور پر پیش کرتا ہے، اپسٹین کے معاملے میں غیر معمولی نرمی اور تاخیر کا مظاہرہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ''اپسٹین فائلز'' میں موجود دستاویزات اس امر کی نشان دہی کرتی ہیں کہ کس طرح مخصوص قانونی معاہدوں کے ذریعے اس پر عائد الزامات کو محدود دائرے میں رکھا گیا۔ یہ معاہدے محض قانونی کارروائی نہیں تھے بلکہ ایک سوچے سمجھے فریم ورک کا حصہ تھے، جس کا مقصد سچ کو مکمل طور پر سامنے آنے سے روکنا تھا۔

یہاں سوال یہ نہیں کہ قانون کیوں حرکت میں نہیں آیا، بلکہ یہ ہے کہ قانون کن کے لیے حرکت میں آتا ہے۔ اپسٹین کا کیس اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ جدید قانونی نظام میں انصاف کی رفتار اور شدت کا تعین جرم کی نوعیت سے زیادہ ملزم کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ طاقت ور روابط رکھنے والا فرد وہ رعایتیں حاصل کر لیتا ہے جو عام شہری کے لیے تصور سے باہر ہوتی ہیں۔ ''اپسٹین فائلز'' اسی دوہرے معیار کی ایک دستاویزی مثال بن جاتی ہیں۔

اپسٹین کے خلاف کارروائی میں بار بار سامنے آنے والی تاخیر اس تاثر کو تقویت دیتی ہے کہ ریاستی ادارے بعض اوقات طاقت ور حلقوں کے تحفظ کے لیے ایک دوسرے کی ناکامیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ تفتیشی ادارے شواہد کی کمی کا بہانہ بناتے ہیں، عدالتیں قانونی پیچیدگیوں کا حوالہ دیتی ہیں، اور سیاسی قیادت خاموش تماشائی بنی رہتی ہے۔ اس باہمی خاموشی میں اصل نقصان ان متاثرین کا ہوتا ہے جن کی زندگیاں ان فیصلوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔

اپسٹین کے معاملے میں عدالتی نظام کی یہ کم زوری دراصل ایک بڑے سماجی مسئلے کی علامت ہے۔ جب قانون کو طاقت ور کے مفاد میں موڑا جانے لگے تو وہ انصاف کے بجائے کنٹرول کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ''اپسٹین فائلز''، ہمیں یہ دکھاتی ہیں کہ قانون کی زبان کس طرح اخلاقی سچائی کو دھندلا دیتی ہے، اور کیسے تکنیکی نکات انسانی تکلیف پر غالب آ جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انصاف کی روح دم توڑتی نظر آتی ہے۔

اپسٹین کی موت نے اس پورے معاملے کو ایک نئے اور زیادہ سنگین مرحلے میں داخل کر دیا۔ ایک ایسے شخص کی موت جو عالمی سطح پر حساس

معلومات کا حامل تھا، اور جو ایک انتہائی سیکیورٹی جیل میں قید تھا، محض ایک انتظامی ناکامی قرار دینا سوالات کو دبانے کے مترادف ہے۔ ''اپسٹین فائلز'' کے تناظر میں یہ واقعہ ایک علامت بن جاتا ہے، اس حقیقت کی علامت کہ جب سچ بہت قریب آ جائے تو نظام خود کو بچانے کے لیے انتہائی اقدامات سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

یہاں یہ سوال شدت سے ابھرتا ہے کہ اگر اپسٹین کی موت واقعی خودکشی تھی تو پھر نگرانی کے نظام، کیمروں اور جیل انتظامیہ کی ناکامی ایک ہی وقت میں کیسے وقوع پذیر ہو گئی؟ اور اگر یہ خودکشی نہیں تھی تو پھر اس کے متبادل امکانات کو سنجیدگی سے کیوں نہیں کھنگالا گیا؟ ''اپسٹین فائلز'' ان سوالات کا حتمی جواب تو نہیں دیتیں، مگر یہ ضرور واضح کرتی ہیں کہ سچ تک پہنچنے کی کوشش مکمل دیانت داری کے ساتھ نہیں کی گئی۔

اپسٹین کی موت کے بعد مقدمات کا بند ہو جانا، تحقیقات کا سست پڑ جانا اور عوامی بحث کا آہستہ آہستہ ختم ہو جانا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نظام نے ایک بار پھر خود کو بچا لیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب انصاف کو زندہ رکھنے کے بجائے معاملے کو دفن کرنے کو ترجیح دی گئی۔ ''اپسٹین فائلز'' اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہیں کہ بعض اوقات موت خود انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

یہاں یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اپسٹین کی موت سے فائدہ کس کو پہنچا۔ وہ تمام طاقت ور حلقے جن کے نام منظرِ عام پر آنے کا امکان تھا، اس موت کے بعد ایک طرح کے تحفظ میں آ گئے۔ یہ صورت حال اس تاثر کو تقویت دیتی ہے کہ اپسٹین محض ایک فرد نہیں بلکہ ایک بوجھ تھا، جسے خاموشی سے ہٹا دینا پورے نظام کے مفاد میں تھا۔ ''اپسٹین فائلز'' اسی مفروضے کو تقویت دیتی ہیں، چاہے وہ کسی قطعی نتیجے تک نہ پہنچ سکیں۔

اپسٹین کے معاملے میں عدالتی اور تفتیشی ناکامی ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیا موجودہ ادارے واقعی طاقت وروں کا احتساب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ یا پھر وہ خود اسی طاقت کے ڈھانچے کا حصہ بن چکے ہیں جسے وہ کنٹرول کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ یہ سوال محض اپسٹین تک محدود نہیں بلکہ ہر اس معاشرے کے لیے اہم ہے جو خود کو قانون کی حکمرانی کا علم بردار سمجھتا ہے۔

''اپسٹین فائلز''، ہمیں یہ بھی دکھاتی ہیں کہ انصاف صرف عدالتوں میں نہیں بلکہ سیاسی ارادے میں بھی پنہاں ہوتا ہے۔ جب سیاسی قیادت خود مفادات کے جال میں پھنسی ہو تو عدالتی نظام سے غیر جانب داری کی توقع محض ایک خوش فہمی بن جاتی ہے۔ اپسٹین کا کیس اسی خوش فہمی کو چکنا چور کرتا ہے۔

بالآخر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپسٹین اسکینڈل عدالتی نظام کی ایک فردِ جرم ہے، مگر یہ فردِ جرم کسی ایک عدالت یا کسی ایک ملک تک محدود نہیں۔ یہ ایک عالمی سوال ہے کہ کیا طاقت وروں کا احتساب واقعی ممکن ہے، یا پھر انصاف ہمیشہ کم زور کے لیے ہی مخصوص رہے گا؟ ''اپسٹین فائلز'' اس سوال کو پوری شدت کے ساتھ ہمارے سامنے رکھ دیتی ہیں، اور یہی ان کی سب سے بڑی معنویت ہے۔

اپسٹین اسکینڈل میں اگر کوئی عنصر سب سے زیادہ پیچیدہ اور متنازع نظر آتا ہے تو وہ ذرائع ابلاغ کا کردار ہے۔ میڈیا، جسے جمہوری معاشروں میں عوام کی آنکھ اور آواز کہا جاتا ہے، اس معاملے میں بیک وقت نگراں بھی دکھائی دیتا ہے اور خاموش شریکِ جرم بھی۔ ''اپسٹین فائلز'' اس تضاد کو نہایت وضاحت کے ساتھ بے نقاب کرتی ہیں کہ جدید میڈیا نہ تو مکمل طور پر آزاد ہے اور نہ ہی مکمل طور پر تابع، بلکہ وہ مفادات، خوف اور رسائی کے ایک نازک توازن پر قائم ہے۔

اپسٹین کے خلاف الزامات جب ابتدائی طور پر سامنے آئے تو انہیں محدود دائرے میں رپورٹ کیا گیا۔ خبریں شائع ہوئیں، مگر ان کا لہجہ محتاط تھا، زبان نرم تھی اور دائرہ بحث محدود۔ اس احتیاط کو بعض حلقے صحافتی ذمہ داری قرار دیتے ہیں، مگر ''اپسٹین فائلز'' کے تناظر میں یہ احتیاط سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ یہاں سوال یہ نہیں کہ میڈیا نے جھوٹ بولا یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اس نے سچ کا کتنا حصہ بولنے کا انتخاب کیا، اور کتنا حصہ دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کر دیا۔

میڈیا کی اس خاموشی کی ایک بڑی وجہ وہ معاشی ڈھانچا ہے جس پر جدید صحافت کھڑی ہے۔ بڑے میڈیا ادارے اشتہارات، کارپوریٹ اسپانسرشپ اور سیاسی رسائی پر انحصار کرتے ہیں۔ جب کسی اسکینڈل کے دھاگے انہی طاقت ور حلقوں تک پہنچنے لگیں جو میڈیا کے معاشی یا سیاسی معاون ہوں، تو صحافت ایک نازک موڑ پر آ کھڑی ہوتی ہے۔ ''اپسٹین فائلز'' اسی موڑ کو نمایاں کرتی ہیں، جہاں صحافتی اخلاقیات اور ادارہ جاتی مفادات آمنے سامنے کھڑے نظر آتے ہیں۔

امریکہ اور اسرائیل کی ایران کے خلاف جنگ کی قانونی حیثیت کیا ہے؟

امریکہ اور اسرائیل کی ایران کے خلاف مشترکہ کارروائیوں اور اس کے جواب میں ایران کے حملوں کے نتیجے میں پہلے ہی شہری ہلاکتیں ہو چکی ہیں اور اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گوتیریس نے فریقین سے بین الاقوامی قانون کا احترام کرنے کی اپیل کی ہے۔

فریقین کا دعویٰ ہے کہ دونوں اطراف کے ہی اقدامات جائز ہیں لیکن ایران پر اسرائیل اور امریکہ کے ابتدائی حملے جائز تھے یا نہیں یہ جانچنے کے لیے ہمیں بین الاقوامی اصولوں کو دیکھنا ہوگا جن پر دوسری عالمی جنگ کی تباہی کے بعد زیادہ تر ممالک متفق ہوئے تھے۔

28 فروری کو امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے ایران پر بمباری شروع ہونے کے فوراً بعد صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے تہران پر جوہری ہتھیار بنانے کا الزام لگایا، جو ان کے مطابق امریکی اتحادیوں کے لیے خطرہ ہیں اور 'جلد ہی امریکی سرزمین تک پہنچ سکتے ہیں۔'

تاہم 2 مارچ کو امریکی وزیرِ خارجہ مارکو روبیو نے کہا کہ امریکا کو تہران کے خلاف 'پیشگی کارروائی کرنا پڑی' کیونکہ ٹرمپ انتظامیہ کو معلوم تھا کہ ایران کے خلاف 'اسرائیلی کارروائی' ہونے والی ہے۔

اسی دوران اسرائیلی صدر آئزک ہرزوگ نے بی بی سی ریڈیو 4 کے پروگرام 'ٹوڈے' کو بتایا کہ ایران کے مبینہ منصوبے، جن کے تحت وہ 'ایک بم تیار کرنا' چاہتا ہے، حملوں کو جائز قرار دینے کے لیے کافی تھے۔

ایران نے جواب میں اسرائیل اور مشرقِ وسطیٰ کے ان ممالک پر بمباری کی جہاں امریکی فوجی اڈے موجود ہیں اور اسے دفاعی اقدام قرار دیا۔

ہلاکتوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ایران کی ہلالِ احمر سوسائٹی کے مطابق ایران میں اب تک ایک ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں، جن میں ایک سکول کی 165 لڑکیاں اور عملہ بھی شامل ہیں۔

لبنان میں پیر کے روز اسرائیلی حملوں کے دوران 50 سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے تھے۔

کیا یہ حملے قانونی طور پر جائز تھے؟

بی بی سی سے بات کرنے والے قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ انھیں ابتدائی امریکی، اسرائیلی حملے کے لیے درکار قانونی شرائط پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتیں لیکن ایران کا جوابی حملہ بھی ممکنہ طور پر بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تھا۔

اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے تحت رکن ممالک کو عام طور پر کسی دوسری ریاست کے خلاف طاقت کے استعمال سے منع کیا گیا ہے، جب تک کوئی ایسی بات نہ ہو جو خصوصی جواز فراہم کرتی ہو۔

آرٹیکل 2 (4) کہتا ہے کہ کوئی بھی ریاست دوسری ریاستوں کے خلاف طاقت کا استعمال نہیں کر سکتی۔

آرٹیکل 51 ریاستوں کو مسلح حملے کی اجازت دیتا ہے۔ کچھ ریاستوں کا کہنا ہے کہ یہ اجازت صرف اس وقت ملتی ہے جب کسی ریاست پر حملے یقینی ہوں۔

یہاں اہم قانونی سوال یہ ہے کہ آیا ایران اسرائیل اور امریکہ کے لیے ایک فوری اور ناگزیر خطرہ تھا یا نہیں۔

برطانیہ کے انسٹیٹیوٹ آف ایڈوانسڈ لیگل اسٹڈیز سے منسلک بین الاقوامی قانون کی ماہر سوزن بریو کا کہنا ہے کہ جائز حقِ دفاع ثابت کرنے کے لیے 'ایک فوری حملے کے ناقابلِ تردید ثبوت' درکار ہوتے ہیں اور ان کے مطابق انھوں نے ایسے کسی ثبوت کو نہیں دیکھا۔

انسانی حقوق کے وکیل سر جیفری نائس بھی اس بات سے متفق نظر آتے ہیں۔ سنہ 1998 سے 2006 تک انھوں نے سابق یوگوسلاوی صدر سلوبودان میلوسووچ کے خلاف بین الاقوامی فوجداری ٹریبونل میں استغاثہ کی قیادت کی۔

انھوں نے کہا کہ 'کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ جنگ کا آغاز غیر قانونی تھا۔'

امریکہ کی اندرونی سیاست میں بھی اس جنگ پر بحث ہو رہی ہے۔ بہت سے ڈیموکریٹس کہتے ہیں کہ ایران کے خلاف کی جانے والی کارروائی غیر قانونی ہے اور ان کا مؤقف ہے کہ جنگ کا اعلان کرنے کا اختیار صرف کانگریس کے پاس ہے۔

تاہم بطور کمانڈر اِن چیف ایک امریکی صدر باضابطہ طور پر جنگ کا اعلان کیے بغیر بھی بعض فوجی کارروائیاں انجام دے سکتا ہے۔

کیا امریکہ اور اسرائیل کو ایران سے واقعی خطرہ تھا؟

صدر ٹرمپ نے کہا تھا کہ جون 2025 میں تین جوہری مقامات پر بمباری کے بعد امریکہ نے ایران کے ساتھ مذاکرات کی کوشش کی لیکن پھر تہران نے 'اپنی جوہری خواہشات ترک کرنے کے ہر موقع کو مسترد کر دیا۔'

ان کا کہنا تھا کہ ایران اپنے جوہری پروگرام کو دوبارہ تعمیر کرنے اور طویل فاصلے تک مار کرنے والے ایسے میزائل تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جو امریکی اتحادیوں اور بیرونِ ملک فوجیوں کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں اور بالآخر امریکی سرزمین تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

ایزرا کوہن صدر ٹرمپ کی پہلی انتظامیہ میں ان کی انٹیلیجنس اور سکیورٹی ٹیم کا حصہ تھے۔ انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ 'رپورٹس موجود ہیں کہ ایرانی حکام امریکہ یا اسرائیل کی کارروائی کے فیصلے سے پہلے اپنے میزائلوں کو حملے کے لیے تیار کر رہے تھے۔'

بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی کے ڈائریکٹر رافیل گروسی نے بھی پیر کو ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ ایران کے پاس 'بہت بڑا اور پرعزم جوہری پروگرام' ہے لیکن انھیں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا جو 'جوہری ہتھیار بنانے کے منظم پروگرام' کی نشاندہی کرے۔

امریکی ڈیفنس انٹیلیجنس ایجنسی کی مئی 2025 کی ایک رپورٹ میں بھی یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ ایران کو طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائل تیار کرنے میں ابھی کئی سال لگیں گے۔

ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ ایران کے جوہری پروگرام کے بارے میں ٹرمپ کا سابقہ دعویٰ کہ گزشتہ سال 12 روزہ ایران، اسرائیل جنگ کے دوران اسے 'مکمل طور پر تباہ' کر دیا گیا تھا فوری خطرے کے تصور سے

مطابقت نہیں رکھتا۔

بین الاقوامی قانون میں ایک مرکزی تنازع اس بات پر ہے کہ 'فوری خطرے' کی تشریح کتنی محدود ہونی چاہیے۔

کیمبرج یونیورسٹی سے منسلک بین الاقوامی قانون کے ماہر مارک ویلر کہتے ہیں 'روایتی طور پر 'فوری خطرے' سے مراد وہ آخری ممکنہ لمحہ ہوتا ہے جب آپ اُس حملے کو روک سکتے ہیں جو بصورتِ دیگر ناگزیر ہو۔'

بریو کے مطابق بین الاقوامی قانون میں ایک طویل عرصے سے یہ بحث جاری ہے کہ کوئی ریاست پیشگی دفاع میں کب قانونی طور پر طاقت استعمال کر سکتی ہے: کچھ کا کہنا ہے کہ حملہ شروع ہو چکا ہونا چاہیے جبکہ دیگر کے نزدیک اگر اس بات کے قابلِ اعتماد شواہد موجود ہوں کہ حملہ بہت جلد ہونے والا ہے تو طاقت کا استعمال پہلے ہی جائز ہو جاتا ہے۔

بریو کے مطابق قانونی حقِ دفاع کے لیے دو شرائط بھی ہوتی ہیں: ضرورت یعنی 'جب کوئی دوسرا ذریعہ دستیاب نہ ہو' اور ممکنہ حملے کا تناسب۔

ویلر اور بریو دونوں کے نزدیک جدید تاریخ میں پیشگی حقِ دفاع کی سب سے زیادہ حوالہ دی جانے والی مثالوں میں سے ایک 1967 میں چھ روزہ جنگ کے دوران مصر کے خلاف اسرائیل کا حملہ ہے۔

بریو کے مطابق اُس وقت بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سرحد پر جمع ہونے والے مصری فوجی حملہ کرنے کے لیے تیار تھے۔

تاہم ان کا مؤقف ہے کہ اُس وقت بھی اسرائیلی حملہ 'متنازع' سمجھا جاتا تھا۔

ایران کے جوابی حملے کی قانونی حیثیت

بہت سے ماہرین کا ماننا ہے کہ ایران کا جوابی حملہ بھی ممکنہ طور پر بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تھا۔

ویلر کے مطابق خلیجی ممالک پر 'بلا امتیاز حملے' کر کے ایران نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی۔

سرنائس اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگرچہ ایران حقِ دفاع کا حوالہ دے سکتا ہے مگر اس کا جواب 'تناسب' پر مبنی ہونا چاہیے۔ ان کے مطابق تناسب کا تقاضا یہ ہے کہ فوجی ہدف کا تقابل متوقع ضمنی نقصانات سے کیا جائے۔

'ایسے میزائلوں کا استعمال جو درست اور محدود ہدف بندی نہ کر سکیں انھیں غیر قانونی قرار دیا جا سکتا ہے۔

بریو اس بات سے اتفاق کرتی ہیں اور دبئی کے ڈاؤن ٹاؤن میں واقع عالمی شہرت یافتہ فیئرمونٹ ہوٹل کی جانب اشارہ کرتی ہیں، جسے ایرانی فورسز نے نشانہ بنایا تھا۔

'وہ کوئی فوجی ہدف نہیں تھا بلکہ ایک شہری ہدف تھا۔'

خطرناک مثال

ماہرین خبردار کرتے ہیں کہ طاقت کے غیر قانونی استعمال کی واضح نشاندہی میں ناکامی وقت کے ساتھ بین الاقوامی قانونی نظام کو کمزور کر سکتی ہے۔

بریو خبردار کرتی ہیں کہ دیگر ممالک بھی اسی منطق کا سہارا لے کر طاقت کے استعمال کی طرف جا سکتے ہیں، مثال کے طور پر چین، جو خود مختار تائیوان کو ایک علیحدہ ہونے والا صوبہ سمجھتا ہے۔

وہ کہتی ہیں 'طاقت کے غیر قانونی استعمال کو قبول کرنے سے بڑھ کر بین الاقوامی نظام کے لیے کوئی چیز زیادہ خطرناک نہیں۔'

چیٹم ہاؤس کے لیے ایک مضمون میں ویلر خبردار کرتے ہیں کہ 'مزید روسی جارحیت یا ممکنہ چینی توسیع پسندی' کی مخالفت کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ ایسا کرنے سے 'دوہرے معیار اور منافقت کے اعتراضات' پیدا ہو سکتے ہیں اور امریکہ سمیت دیگر ممالک کو 'اس قانونی اور اخلاقی اتھارٹی کے نقصان پر افسوس ہو سکتا ہے جو اس سے ہوگا۔'

اگر طاقتور ممالک بار بار بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں اور انھیں اس کے نتائج کا سامنا نہ کرنا پڑے تو بہت سے لوگوں کو خدشہ ہے کہ جنگ کے بعد قائم عالمی نظام ٹوٹ جائے گا اور طاقت کے اصول کی حکمرانی جنم لے گی۔

دی بون

ایران پر ممکنہ بڑے حملے کے لیے برطانیہ پہنچنے والا امریکی بمبار طیارہ آخر اتنا خطرناک کیوں سمجھا جاتا ہے؟

24 کروز میزائل لے جانے کی صلاحیت کا حامل امریکی فضائیہ کا ایک بڑا بمبار طیارہ برطانیہ کی سرزمین پر اتر چکا ہے۔

146 فٹ لمبا بی ون لینسر جمعے کے روز برطانیہ کے گلوسسٹر شائر میں رائل ایئر فورس فیئر فورڈ کے ہوائی اڈے پر پہنچا ہے۔

'دی بون' نامی اس طیارے میں ایسے جدید ریڈار اور جی پی ایس نظام موجود ہیں جو اہداف کو بہترین طریقے سے نشانہ بنانے میں مدد دیتے ہیں۔

دشمن سے بچاؤ کے لیے اس میں الیکٹرانک جیمرز، ریڈار وارننگ اور دشمن کو دھوکہ دینے والا مخصوص نظام بھی شامل ہے۔

یہ پیش رفت برطانوی وزیرِ اعظم کیئر سٹارمر کی جانب سے امریکہ کو برطانوی فوجی اڈے استعمال کرنے کی اجازت دیے جانے کے بعد سامنے آئی ہے۔

تاہم برطانیہ کے مطابق یہ اجازت صرف ایران کے میزائل مراکز پر دفاعی حملوں کے لیے دی گئی ہے۔

رواں ہفتے کے آغاز میں حکام کی جانب سے کہا تھا کہ برطانیہ ان جنگی طیاروں کو اپنی ایئر بیس استعمال کرنے کے لیے آمادہ ہے اور انھوں نے چند روز میں ان طیاروں کی آمد کی توقع کا اظہار بھی کیا تھا۔

137 فٹ لمبا اور 86 ٹن وزنی 'دی بون'

یہ طیارہ چار رکنی عملے کے ساتھ چلایا جاتا ہے۔ اس کے پروں کی لمبائی 137 فٹ ہے اور وزن 86 ٹن ہے۔

بوئنگ کے مطابق یہ امریکی فضائیہ کا سب سے تیز بمبار جہاز ہے جو 900 میل فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار تک جا سکتا ہے۔

امریکی وزیرِ دفاع پیٹ ہیگسیتھ نے اپنے بیان میں عندیہ دیا ہے کہ ایران پر جلد ہی حملوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

ان کا کہنا تھا کہ 'ان میں لڑاکا طیاروں کے زیادہ بیڑے ہوں گے جبکہ دفاعی صلاحیتیں بھی زیادہ ہوں گے جبکہ بمبار طیاروں کی پروازیں بھی بڑھ جائیں گی۔'

رائل ایئر فورس فیئر فورڈ گلوسسٹر شائر اور ولٹ شائر کی سرحد پر واقع ہے جسے ماضی میں بھی امریکہ نے طویل فاصلے پر شدید بمباری کے مشن کے لیے استعمال کیا ہے۔

یاد رہے کہ برطانیہ نے امریکہ کو اپنے فوجی اڈے دفاعی حملوں کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے لیکن خود جنگی کارروائی میں حصہ نہ لینے کا اعلان کیا ہے۔

اس سے قبل جمعہ کے روز وزیرِ اعظم کے ترجمان نے صحافیوں سے کہا: 'ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ ہمارا ردِعمل یہ رہا ہے کہ ہم نے امریکہ کو اپنے فوجی اڈوں کے محدود، مخصوص اور دفاعی استعمال کی اجازت دی ہے تاکہ برطانوی جانوں، برطانوی مفادات اور خطے میں اپنے اتحادیوں کا تحفظ کیا جا سکے۔'

ترجمان نے مزید کہا کہ برطانیہ کی فوج کی توجہ فضا میں ڈرون مار گرانے پر مرکوز ہے، جبکہ امریکہ ایران میں میزائل لانچ سائٹس کو نشانہ بنا رہا ہے۔

انھوں نے کہا: 'ہم مسلسل یہ کہتے آئے ہیں کہ مستقبل میں حملوں کو روکنے کے لیے ہم ضروری اقدامات کریں گے۔ اسی مقصد کے تحت ہم نے امریکہ کو ان میزائلوں کو ان کے منبع پر ہی نشانہ بنانے کی اجازت دی ہے، جبکہ ہم خود فضا کا دفاع کر رہے ہیں۔'

حیدر آباد پولیس کی کارکردگی پر بڑھتے سوالات

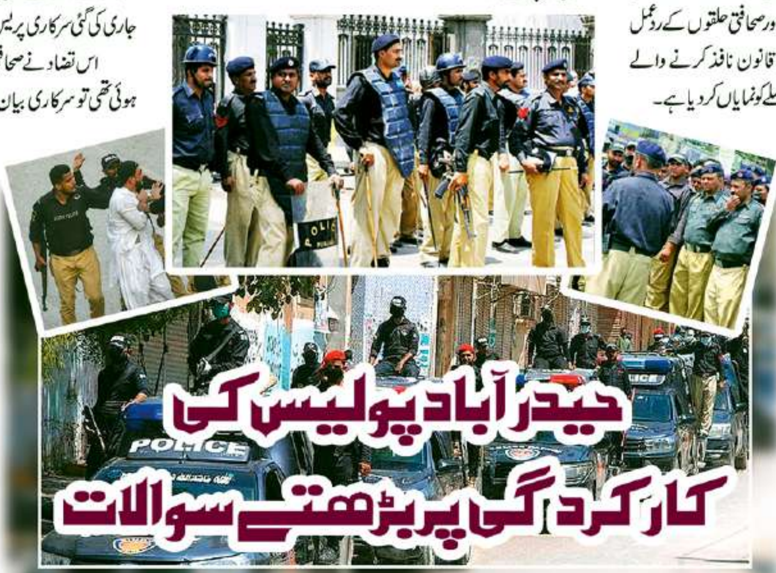

عبدالغفور سروہی

حیدر آباد، جو سندھ کا دوسرا بڑا شہری مرکز سمجھا جاتا ہے، حالیہ دنوں میں امن و امان، پولیس کی کارکردگی اور شہریوں کے تحفظ کے حوالے سے مسلسل بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ شہر کے مختلف علاقوں سے سامنے آنے والی شکایات، شہریوں اور سول سوسائٹی کے خدشات، اور صحافتی حلقوں کے ردعمل نے ایک ایسی صورتحال کو اجاگر کیا ہے جس نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی اور عوامی اعتماد کے درمیان فاصلے کو نمایاں کر دیا ہے۔

گزشتہ چند ہفتوں میں متعدد ایسے واقعات سامنے آئے ہیں جنہوں نے اس تاثر کو مزید مضبوط کیا ہے کہ شہر میں پولیس کے انتظامی ڈھانچے اور زمینی سطح پر عملدرآمد کے درمیان واضح خلا موجود ہے۔ شہریوں، صحافیوں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ حالیہ عرصے میں یہ صورتحال زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے، خصوصاً اس وقت سے جب حیدر آباد میں نئے ایس ایس پی کی تقرری ہوئی۔

یہ تاثر مختلف حلقوں میں زیر بحث ہے کہ اعلیٰ سطح پر کیے جانے والے فیصلوں اور تھانوں کی سطح پر ہونے والے عملی اقدامات کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان موجود ہے۔ بعض شہریوں کا کہنا ہے کہ انہیں شکایات کے اندراج، ایف آئی آر کے اندراج یا ابتدائی قانونی کارروائی کے لیے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کے باعث عام آدمی خود کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگا ہے۔

شہریوں اور سول سوسائٹی کے خدشات

حیدر آباد کے شہری حلقوں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے پولیس کی بعض کارروائیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ زمینی حقائق اور سرکاری مؤقف میں بعض اوقات فرق نظر آتا ہے۔ کچھ سماجی کارکنوں اور شہری نمائندوں کے مطابق پولیس کی جانب سے منشیات کے خلاف کارروائیوں کے اعداد و شمار کے حوالے سے بھی سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔

غیر سرکاری حلقوں اور ذرائع کے مطابق بعض مواقع پر ضبط کی جانے والی منشیات کی مقدار اور سرکاری طور پر ظاہر کیے جانے والے اعداد و شمار میں فرق کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ تاہم اس حوالے سے پولیس حکام کا مؤقف سامنے آنا ضروری ہے تاکہ کسی بھی قسم کے ابہام کو دور کیا جا سکے۔

اسی طرح بعض شہریوں کا کہنا ہے کہ پولیس اور مبینہ سماج دشمن عناصر کے درمیان غیر رسمی سمجھوتوں کی افواہیں بھی گردش کرتی رہتی ہیں۔ اگرچہ ان دعوؤں کی آزادانہ تصدیق ضروری ہے، لیکن ان کی موجودگی ہی اس بات کی علامت ہے کہ عوامی سطح پر اعتماد کے بحران کے خدشات بڑھ رہے ہیں۔

صحافتی حلقوں کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ

حالیہ دنوں میں ایک واقعہ اس وقت مزید توجہ کا مرکز بن گیا جب قاسم آباد تھانے میں رپورٹنگ کے دوران ایک سینئر صحافی کے ساتھ مبینہ طور پر رکاوٹیں پیش آئیں۔ اطلاعات کے مطابق صحافی عبدالغفور سروہی عوامی شکایات کے حوالے سے رپورٹنگ کے لیے تھانے پہنچے تھے۔

شکایات کے مطابق اس دوران بعض پولیس اہلکاروں کی جانب سے رپورٹنگ کے عمل میں مداخلت کی گئی، کیمرہ ضبط کرنے کی کوشش کی گئی اور دھمکی آمیز رویہ اختیار کیا گیا۔ صحافتی حلقوں نے اس واقعے کو آزادی صحافت کے حوالے سے تشویش ناک قرار دیا۔

صحافتی تنظیموں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے اس واقعے کی شفاف تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر صحافی اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران رکاوٹوں کا شکار ہوں گے تو عوام تک زمینی حقائق پہنچانا مشکل ہو جائے گا۔

سوشل میڈیا پر عوامی ردعمل

اس صورتحال نے سوشل میڈیا پر بھی خاصی توجہ حاصل کی ہے۔ مختلف پلیٹ فارمز پر شہریوں کی بڑی تعداد نے پولیس کے رویوں، کارکردگی اور شہریوں کے ساتھ مبینہ ناروا سلوک پر ردعمل ظاہر کیا۔

کئی سوشل میڈیا صارفین نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر شہری اپنی شکایات کے حل کے لیے پولیس سے رجوع کریں اور وہاں بھی مشکلات کا سامنا کریں تو پھر انصاف کے حصول کے لیے ان کے پاس کیا راستہ باقی رہ جاتا ہے۔

تاہم بعض حلقوں نے یہ مؤقف بھی پیش کیا کہ پولیس کو درپیش عملی مشکلات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے مطابق بڑھتی ہوئی شہری آبادی، محدود وسائل اور پیچیدہ جرائم کے باعث پولیس کو متعدد چیلنجز کا سامنا ہے۔

قاسم آباد میں رکشا ڈرائیور کا واقعہ

اسی تناظر میں قاسم آباد کے علاقے سے ایک اور واقعہ سامنے آیا جس میں ایک رکشا ڈرائیور کی گرفتاری اور مبینہ رشوت طلبی کے الزامات زیر بحث آئے۔ اطلاعات کے مطابق انور ولاز کے رہائشی ایک نوجوان رکشا ڈرائیور کو پولیس نے حراست میں لیا۔

متاثرہ خاندان کے مطابق نوجوان نے ماضی میں منشیات کے کیس میں سزا کاٹنے کے بعد اب دوبارہ معمول کی زندگی شروع کی تھی اور رکشا چلا کر روزگار کما رہا تھا۔ خاندان کا کہنا ہے کہ گرفتاری کے بعد انہیں مبینہ طور پر مالی مطالبات کا سامنا کرنا پڑا۔

اگرچہ متاثرہ خاندان نے آن ریکارڈ گفتگو سے گریز کیا، تاہم ان کا کہنا تھا کہ انہیں خدشہ ہے کہ میڈیا پر آنے کی صورت میں نوجوان کے خلاف مزید مقدمات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ اس واقعے نے بھی شہریوں کے تحفظ اور پولیس کے احتساب کے حوالے سے سوالات کو جنم دیا ہے۔

نسیم نگر میں خاتون کی گرفتاری کا معاملہ

ایک اور واقعہ نسیم نگر تھانے کی حدود میں پیش آیا جہاں ایک خاتون کی گرفتاری کے حوالے سے پولیس کے زبانی مؤقف اور سرکاری پریس ریلیز کے درمیان تضاد سامنے آیا۔

ذرائع کے مطابق ایک کارروائی کے دوران ایک خاتون کو حراست میں لیا گیا تھا۔ بعد ازاں پولیس کے ایک افسر نے غیر رسمی گفتگو میں بتایا کہ خاتون کو اغوا کے مقدمے میں گرفتار کیا گیا ہے۔ تاہم اسی واقعے کے حوالے سے جاری کی گئی سرکاری پریس ریلیز میں خاتون کی گرفتاری کا ذکر موجود نہیں تھا۔

اس تضاد نے صحافتی حلقوں میں سوالات کو جنم دیا کہ اگر گرفتاری واقع ہوئی تھی تو سرکاری بیان میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔ دوسری جانب خاتون کے اہل خانہ نے دعویٰ کیا کہ اسے رات کے وقت بغیر واضح قانونی وضاحت کے حراست میں لیا گیا۔

کمانڈ اور عملدرآمد کا مسئلہ

حیدر آباد کے بعض تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ شہر میں پولیس کے انتظامی ڈھانچے کے حوالے سے سب سے بڑا مسئلہ کمانڈ اور عملدرآمد کے درمیان فاصلے کا ہے۔ ان کے مطابق اعلیٰ سطح پر پالیسی فیصلے تو کیے جاتے ہیں، لیکن تھانوں کی سطح پر ان پر مکمل عملدرآمد نہیں ہو پاتا۔

اس صورتحال کے باعث نہ صرف جرائم کے خلاف کارروائی متاثر ہوتی ہے بلکہ عام شہریوں کے مسائل بھی حل نہیں ہو پاتے۔ بعض شہریوں کا کہنا ہے کہ ایسے حالات میں بااثر افراد کو نسبتاً زیادہ سہولت مل جاتی ہے جبکہ عام فریادی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اعتماد کا بحران

قانونی ماہرین کے مطابق کسی بھی معاشرے میں پولیس اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اگر یہ اعتماد کمزور ہو جائے تو نہ صرف جرائم کی روک تھام مشکل ہو جاتی ہے بلکہ قانون کی عملداری بھی متاثر ہوتی ہے۔

حیدر آباد کے شہری حلقوں کا کہنا ہے کہ موجودہ صورتحال کو سنجیدگی سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان کے مطابق پولیس کے اندر شفافیت، احتساب اور شہریوں کے ساتھ بہتر رویے کو یقینی بنانے سے اس اعتماد کو بحال کیا جا سکتا ہے۔

حاصل مقصد...

حیدر آباد میں پیش آنے والے حالیہ واقعات اور عوامی ردعمل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ شہر میں امن و امان اور پولیس کارکردگی کے حوالے سے سنجیدہ سوالات موجود ہیں۔ اگرچہ پولیس کو درپیش عملی مشکلات ایک حقیقت ہیں، لیکن شہریوں کا مؤقف ہے کہ بنیادی قانونی حقوق، شکایات کے اندراج اور انصاف کی فراہمی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔

شہریوں، صحافتی حلقوں اور سول سوسائٹی نے مطالبہ کیا ہے کہ تمام الزامات اور شکایات کی شفاف اور غیر جانبدار تحقیقات کی جائیں۔ ان کے مطابق اگر ادارہ جاتی سطح پر اصلاحات اور واضح احتسابی نظام قائم کیا جائے تو نہ صرف شہریوں کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے بلکہ قانون کی عملداری بھی مضبوط ہوگی۔

آخرکار کسی بھی ریاست کی مضبوطی اس کے اداروں اور عوام کے درمیان اعتماد پر منحصر ہوتی ہے۔ حیدر آباد کی موجودہ صورتحال اس بات کی یاد دہانی ہے کہ امن و امان صرف پولیس کی ذمہ داری نہیں بلکہ ایک ایسا نظام ہے جس میں شفافیت، احتساب اور عوامی اعتماد بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قارون کی دولت اور سزا کا واقعہ ابراہیمی مذاہب میں

وہ شخص جس کے خزانوں کی چابیاں 300 خچروں پر لادی جاتی تھیں

زمین شق ہوئی اور وہ شخص، جس کے خزانوں کی کنجیاں کئی طاقتور آدمیوں پر بھاری تھیں، زمین میں دھنسا دیا گیا۔۔۔

مسیحیت اور یہودیت دونوں میں مرکزی حیثیت رکھنے والے مذہبی متون کے مجموعے بائبل میں اِس شخص کو 'قورح' کہا گیا جبکہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن میں 'قارون'۔

مفسرین کے مطابق مسلمانوں کی مقدس کتاب میں قارون کا واقعہ (یعنی ایک انتہائی دولتمند شخص کی بنی اسرائیل کی جانب بھیجے گئے پیغمبر حضرت موسیٰ کی مخالفت) بیان کرنے کی وجہ مکہ میں قریش کے امیر کبیر افراد کی پیغمبرِ اسلام سے دشمنی تھی۔

قرآن مجید کی 28ویں سورہ 'القصص' میں ہے کہ '(یہ اپنے ساز و سامان پر نہ اِترائیں۔ اِنھیں بتاؤ کہ) قارون موسیٰ کی قوم ہی میں سے تھا، پھر وہ اُن کے خلاف سرکش ہو گیا'

اِس سرکشی یا بغاوت کا سبب قورح کا حضرت موسیٰ سے حسد تھا کہ انھیں بنی اسرائیل نے اپنا رہنما مانا اور اُن کے ساتھ ہجرت کر کے مصر سے نکلنے پر تیار ہوئے۔

اس واقعے کے تفصیلات اسلام کے علاوہ مسیحی مذہب سے بھی ملتی ہیں۔

بائبل میں عہد نامہ قدیم کی کتاب 'گنتی' میں درج ہے کہ 'قورح بن اضہار بن قہات بن لاوی نے بنی روبن میں سے الیاب کے بیٹوں داتن اور ابیرام اور پلت کے بیٹے اون کے ساتھ مل کر اور آدمیوں کو ساتھ لیا اور وہ اور بنی اسرائیل میں سے 250 اور اشخاص، جو جماعت کے سردار اور چیدہ اور مشہور آدمی تھے، موسیٰ کے مقابل میں اٹھے۔'

قارون کا خزانہ

قرآن میں ہے کہ 'ہم نے اُس (قورح یا قارون) کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اُن کی کنجیاں کئی طاقتور مردوں کی جماعت بھی مشکل ہی سے اٹھاتی تھی۔'

قورح کی دولت کا بیان پہلی صدی عیسوی کے یہودی مؤرخ فلافیوس یوسفوس نے اپنی کتاب 'اینٹیکو یٹیز آف دی جیوز' میں کیا ہے اور اسے عبدالماجد دریابادی نے اپنی انگریزی اور بعد میں اُردو زبان میں چھپنے والی 'تفسیر ماجدی' میں یوں نقل کیا: 'قورح ایک ممتاز حیثیت کا یہودی تھا، خاندانی حیثیت سے بھی اور اپنی دولت کے سبب بھی۔ اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کو انتہائی بلند عظمت حاصل تھی۔ وہ اس بات سے ناخوش تھا اور اس وجہ سے اس نے حسد کرنا شروع کر دیا (وہ موسیٰ کے قبیلے ہی سے تھا اور اُن کا ایک قرابت دار تھا)۔'

'اس کو خاص طور پر شکایت یہ تھی کہ وہ اپنی بے انتہا دولت کے سبب اور اس وجہ سے بھی کہ وہ خاندانی وجاہت میں حضرت موسیٰ سے کم نہ تھا، اس معزز منصب کا زیادہ مستحق تھا جو موسیٰ کو حاصل تھا۔'

یہودی دائرۃ المعارف (جیوِش انسائیکلوپیڈیا) میں لکھا ہے کہ 'قورح کے خزانوں کی کنجیاں 300 خچروں پر لادی جاتی تھیں۔'

اور یہی دولت قورح یا قارون کی سرکشی اور غرور کا باعث تھی۔

قارون کو تنبیہ

قرآن میں ہے کہ 'جب اُس کی قوم کے لوگوں نے اُسے نصیحت کی کہ اِتراؤ مت، اِس لیے کہ اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ خدا نے تمھیں دے رکھا ہے، اُس میں آخرت کے گھر کے طلبگار بنو اور اِس دنیا سے اپنا حصہ وہاں لے جانا نہ بھولو اور جس طرح خدا نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے، اُسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان کرو اور زمین میں فساد کے خواہاں نہ ہو، اِس لیے کہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'

جاوید احمد غامدی اپنی تفسیر 'البیان' میں لکھتے ہیں کہ 'قوم کے دانشمند لوگوں نے نہایت شائستہ الفاظ میں قارون کو تنبیہ کی کہ خدا کی نعمتیں پا کر جو لوگ اُن کے غرور میں خدا ہی کے خلاف اکڑنے کی جسارت کریں، وہ بالآخر خدا کی پکڑ میں آجاتے ہیں۔'

جاوید احمد غامدی کے مطابق 'مدعا یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز سراسر خدا کی بخشش ہے، اِسے اپنی میراث اور اپنی قابلیت و استحقاق کا کرشمہ خیال نہ کرو۔ تمھاری ابدی زندگی میں جو کچھ اِس میں سے تمھارے کام آئے گا، وہ اِس کا وہی حصہ ہے جو خدا کی راہ میں خرچ کر کے تم یہاں سے وہاں لے جاؤ گے۔'

وہ مزید لکھتے ہیں کہ 'یہ خدا کا احسان ہے کہ اُس نے تمھیں اِس قدر مال و دولت سے نوازا ہے۔ وہ اپنی صفات کا عکس اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے اور اُنھی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس کے بندوں کے معاملے میں اِسی طرح محسن ہو کر زندگی بسر کریں۔'

اس نصیحت کے بعد قارون نے کیا جواب دیا، اس کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔

سورہ القصص میں بیان ہے: 'اُس نے جواب دیا: یہ سب تو مجھے میرے ذاتی علم کی بنا پر ملا ہے۔'

قرآن کے مطابق 'کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ اُس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اُس سے بڑھ کر اور جمعیت میں اُس سے کہیں زیادہ تھیں۔ اِس طرح کے مجرموں سے تو اُن کے گناہوں کے بارے میں سوال بھی نہیں کیا جاتا۔'

قارون کا انجام

قرآن میں ہے کہ '(ایک دن) وہ اپنی شان و شوکت کے ساتھ اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے نکلا تو دنیا کی زندگی کے طلبگار (اُسے دیکھ کر) کہنے لگے کہ جو کچھ قارون کو ملا ہے، اے کاش، ہمیں بھی ملا ہوتا! اِس میں شبہ نہیں کہ وہ بڑی قسمت والا ہے۔'

'اور جن کو علم کی دولت عطا ہوئی تھی، وہ بول اٹھے کہ شامت کے مارو، جو ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں، اُن کے لیے خدا کا اجر اِس سے کہیں بہتر ہے (یہی وہ حکمت ہے جس کی ہر شخص کو تمنا کرنی چاہیے) اور یہ اُنھی کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔'

قرآن کے مطابق قارون کا یہ انجام ہوا:

’ہم نے قارون اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، تو نہ کوئی جماعت اُس کے لیے اُٹھی کہ خدا کے مقابل میں اُس کی مدد کرتی اور نہ وہ آپ ہی اپنے آپ کو بچا سکا۔‘

’اب وہی جو کل اُس کی جگہ ہونے کی تمنا کر رہے تھے، پکار اٹھے: ارے، یہ تو وہی بات ہو گئی (جو ہمیں بتائی جا رہی تھی) کہ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے، روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے۔‘

قارون یا قورح کے بارے میں بائبل میں کیا کہا گیا؟

تلمودی دور کے ربّیوں نے نام ’قورح‘ کی تشریح ’گنجا پن‘ کے معنی میں کی ہے۔ یہ نام قورح کو اس خلا یا نقصان کی وجہ سے دیا گیا جو اس نے اپنی بغاوت کے ذریعے بنی اسرائیل میں پیدا کیا۔

بائبل میں اِس کی تفصیل ہے کہ ’جب قارون کی بغاوت ایک فتنہ بننے لگی تو حضرت موسیٰ نے اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو مباہلے (دو لوگوں یا گروہوں کی خود کو حق پر ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف بد دعا) کی دعوت دی تا کہ خدا کی جماعت کے لیے خدا ہی کا فیصلہ صادر ہو جائے۔‘

کتاب گنتی میں لکھا ہے کہ ’اور داتن اور ابیرام اپنی بیویوں اور بیٹوں اور بال بچوں سمیت نکل کر اپنے خیموں کے دروازوں پر کھڑے ہوئے۔ تب موسیٰ نے کہا: اِس سے تم جان لو گے کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے کہ یہ سب کام کروں، کیونکہ میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔ اگر یہ آدمی (اشارہ قارون اور اُس کے جتھے کی طرف ہے) ویسی ہی موت مریں جو سب لوگوں کو آتی ہے یا اِن پر ویسے ہی حادثے گزریں جو سب پر گزرتے ہیں تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں ہوں۔‘

’پر اگر خداوند کوئی نیا کرشمہ دکھائے اور زمین اپنا منہ کھول دے اور اِن کو اِن کے گھر بار سمیت نگل جائے اور یہ جیتے جی پاتال میں سما جائیں تو تم جاننا کہ اِن لوگوں نے خداوند کی تحقیر کی ہے۔‘

’اُس نے یہ باتیں ختم ہی کی تھیں کہ زمین اُن کے پاؤں تلے پھٹ گئی اور زمین نے اپنا منہ کھول دیا اور اُن کو اور اُن کے گھر بار کو اور قورح کے ہاں کے سب آدمیوں کو اور اُن کے سارے مال و اسباب کو نگل گئی۔ سو وہ اور اُن کا سارا گھر بار جیتے جی پاتال میں سما گئے اور زمین اُن کے اوپر برابر ہو گئی اور وہ جماعت میں سے نابود ہو گئے۔ اور سب اسرائیلی جو اُن کے آس پاس تھے، اُن کا چلانا سن کر یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ کہیں زمین ہم کو بھی نگل نہ لے۔‘

کتاب گنتی ہی میں ہے کہ ’بنی اسرائیل میں سے جو لوگ قورح، داتن اور ابیرام (اور ان کے خاندانوں) کے انجام پر ناخوش تھے، انھوں نے حضرت موسیٰ پر اعتراض کیا۔ اس پر خدا نے موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ اس مجمع سے الگ ہو جائیں۔ پھر خدا نے طاعون کے ذریعے 14,700 آدمیوں کو ہلاک کر دیا، جو قورح کی ہلاکت پر اعتراض کرنے کی سزا تھی۔‘

قورح کے بیٹوں کی توبہ

قورح کا ذکر عہد نامہ جدید میں بھی آتا ہے، خاص طور پر یہوداہ کا خط 11:1 میں جس میں لکھا ہے کہ ’افسوس ہے ان پر! وہ قابیل کی راہ پر چلے، لالچ کے باعث بلعام کی گمراہی میں جا پڑے، اور قورح کی بغاوت میں ہلاک ہو گئے۔‘

یہودی شرح مِدراش کے مطابق ’چونکہ قورح کی بغاوت کا اصل ہتھیار اس کا منھ تھا، اس لیے اس کی سزا یہ بنی کہ وہ زمین کے منھ میں نگلا گیا۔‘

کتاب گنتی میں لکھا ہے کہ ’تاہم قورح کے بیٹے نہ مرے۔‘

مِدراش کا بیان ہے کہ ’زمین کے قورح کو نگلنے سے پہلے اس کے بیٹوں نے توبہ کر لی تھی، اسی لیے وہ بچا لیے گئے، اور ان کی اولاد بعد میں ہیکل (معبد) میں گانے والوں میں شامل ہوئی‘ (اوّل تواریخ 18:6)۔

یوں قورح کے بیٹوں کی کہانی توبہ کے ذریعے نجات کی علامت بن گئی، جبکہ قورح کی کہانی ہمیشہ کی ہلاکت اور ابدی سرکشی کی علامت قرار پائی۔

(بقیہ: اسرائیل سے زیادہ خلیجی ممالک پر میزائل حملے)

یہ تعداد ان 1100 ڈرونز سے بھی زیادہ ہے جو ایران نے 12 روزہ جنگ میں اسرائیل پر داغے تھے۔

کارل کے مطابق ایران کی حکمتِ عملی شاید یہ ہے کہ خلیجی ممالک کو دبا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا جائے تا کہ وہ واشنگٹن اور تل ابیب پر دباؤ بڑھائیں۔

امریکی جنرل ڈین کین کے مطابق جنگ کے پہلے دن کے مقابلے میں ایرانی ڈرون حملے 73 فیصد تک کم ہو چکے ہیں۔ یہ ممکن ہے ایران ذخیرہ بچانے کی کوشش کر رہا ہو کیونکہ مسلسل پیداوار برقرار رکھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔

ایران کتنی دیر تک میزائل برسا سکتا ہے؟

اسرائیل کا تخمینہ ہے کہ جنگ سے پہلے ایران کے پاس تقریباً 2500 بیلسٹک میزائل تھے۔ امریکی وزیرِ خارجہ مارکو روبیو کہتے ہیں کہ ایران مہینے میں تقریباً 100 میزائل تیار کرتا ہے۔

ان تخمینوں کی آزادانہ تصدیق ممکن نہیں۔

کارل کے مطابق ایران کا ذخیرہ ایک وقت پر خطرناک حد تک کم ہونا شروع ہو جائے گا لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ایسا کب ہوگا۔

ان کے خیال میں ایران اپنی موجودہ حکمتِ عملی جاری رکھے گا، یعنی خطے میں بڑے پیمانے پر میزائل حملے جاری رہیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ’ایرانی جانتے ہیں کہ ان کے بہت سے میزائل دفاعی نظام روک لے گا لیکن وہ بڑی تعداد میں فائرنگ کر کے حریفوں کے انٹرسیپٹر میزائلوں کے ذخیرے کو کم کرنا چاہتے ہیں۔‘

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا دعویٰ ہے کہ امریکہ کے پاس ’لامحدود اسلحہ‘ ہے جبکہ ایران کی وزارتِ دفاع کہتی ہے کہ وہ ’اتنی مدت تک لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس کی امریکہ نے منصوبہ بندی نہیں کی۔‘

امریکی اسرائیلی حملے

دوسری جانب امریکہ اور اسرائیل ایران پر حملوں کے لیے بنیادی طور پر فضائیہ استعمال کر رہے ہیں جبکہ امریکہ زمین اور سمندر سے بھی میزائل داغ رہا ہے۔

سینٹکام کے مطابق جنگ کے پہلے چار دن میں امریکہ نے 2000 حملے کیے جن میں 2000 سے زیادہ گولے استعمال ہوئے۔

اسرائیل نے 4 مارچ تک 600 فضائی حملوں کیے جس دوران اسرائیلی فضائیہ نے مجموعی طور پر پانچ ہزار بم گرائے۔

ایرانی ہلال احمر کے مطابق ان حملوں میں 1045 شہری ہلاک ہوئے جن میں 175 بچے اور سکول کے عملے کے ارکان شامل ہیں۔ یہ سب جنگ کے پہلے دن مناب کے ایک پرائمری سکول پر میزائل حملے میں مارے گئے تھے۔

ابھی واضح نہیں کہ اس تعداد میں پاسدارانِ انقلاب کے اہلکار شامل ہیں یا نہیں۔

OOO

وقت اور خلا کی نئی تصویر
توانائی کے بہاؤ کی بصیرت

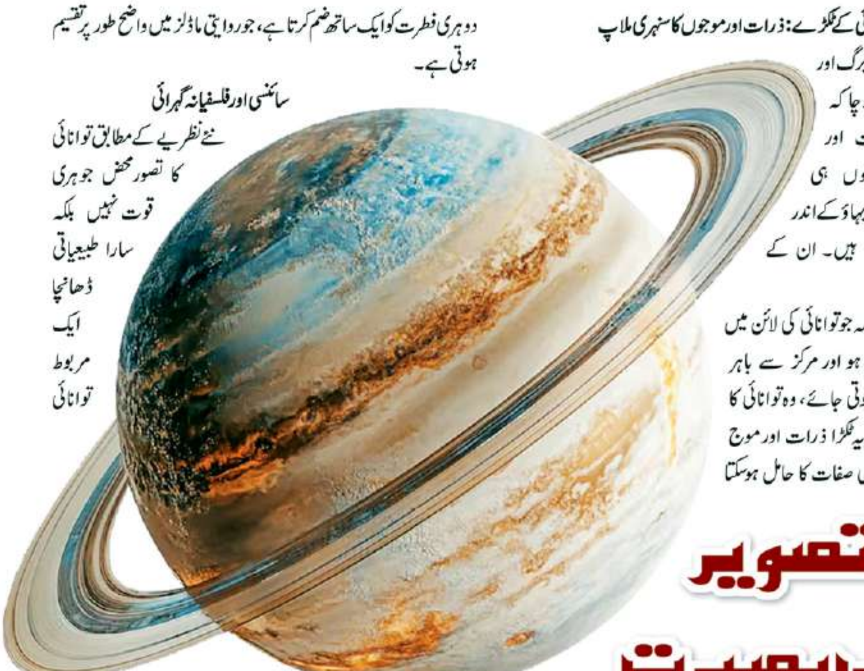

ایک نئی سوچ، ایک نیا زاویہ

سائنس داں ہمیشہ سے یہی تلاش کرتے آئے ہیں کہ کائنات کے سب سے بنیادی اجزاء کون سے ہیں؟ کلاسیکی طبیعیات نے ایک طرف ماڈہ (matter) کے ذرات جیسے الیکٹران، پروٹون، نیوٹران کو بنیادی مانا، اور دوسری طرف توانائی کو طولانی موجیں کہہ کر بیان کیا۔ مگر بیسویں صدی میں کوانٹم تھیوری نے یہ ثابت کیا کہ ذرات اور موجیں ہمیشہ صاف الگ نہیں ہوتیں؛ روشنی اور دیگر ذرات کبھی ذرات کی طرح اور کبھی موج کی طرح برتاؤ کرتے ہیں۔

اب ایک نئی تھیوری سامنے آئی ہے جس کے مطابق شاید ان ذرات اور موجوں کے پیچھے بھی ایک اور بنیادی حقیقت موجود ہے یعنی توانائی کے ٹکڑے (Fragments of Energy) جو ساری کائنات کا حقیقی تعمیراتی بلاک ہو سکتے ہیں۔

نظریے کا بنیادی خیال: توانائی کے بہاؤ اور ٹکڑے

نئی تھیوری کے خالقوں لاری سلور برگ اور جیفری ایچن کے مطابق توانائی سارا عرصہ خلا اور وقت میں بہتی رہتی ہے۔ اس تصور کے مطابق:

توانائی خلا اور وقت کے اندر ایک مسلسل بہاؤ کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ بہاؤ لکیروں کی طرح ہے جو خلا میں کہیں سے شروع نہیں ہوتا، نہ ختم ہوتا ہے، اور ایک دوسرے کو کبھی کراس نہیں کرتے،

ان بہاؤ کی لکیروں کے اندر جو مرکوز، توانائی سے بھرپور حصہ ہوتا ہے، اسے توانائی کا ٹکڑا (Fragments of Energy) کہا جاتا ہے۔

یہ ٹکڑے نہ صرف ذرات کی طرح توانائی کو ایک نقطے کی صورت میں رکھتے ہیں بلکہ موجوں کی طرح وقت اور خلا میں پھیلے رہتے ہیں یعنی وہ ذرات اور موج دونوں کے صفات کا امتزاج ہیں۔

یہ ایک انقلابی فکر ہے۔ اب ماڈہ صرف نقطے پر موجود ذرات سے بنایا نہیں جا رہا، بلکہ توانائی کے پوشیدہ بہاؤ اور ان کی مرکوز شکلوں سے سمجھا جا رہا ہے۔

نظریاتی پس منظر: تاریخی سے دورِ جدید تک

ارسطو سے نیوٹن تک

قدیم یونانی فلسفہ کے مطابق کائنات پانچ بنیادی عناصر زمین، پانی، ہوا، آگ اور آسمانی ایتھر پر مبنی تھی۔ ارسطو کا یہ خیال تقریباً دو ہزار سال تک فزکس کا حصہ رہا۔ بعد میں سائنس نے مواد کو ذرات کی صورت میں دیکھا خصوصاً رابرٹ بوائل اور آئزک نیوٹن نے مادہ کو نقاط میں منقسم تصور کیا، جس نے کلاسیکی طبیعیات کا مرکز بنایا۔

کوانٹم انقلاب

بیسویں صدی میں کوانٹم میکانیات نے ثابت کیا کہ روشنی اور ماڈہ کبھی لہریں اور کبھی ذرات کی طرح عمل دکھاتے ہیں۔ ڈبل سلٹ تجربے نے اس حقیقت کو واضح طور پر ثابت کیا کہ ذرات اور موجیں دو قطعی الگ حیثیتیں نہیں رکھتیں۔

اسی دوران آئن اسٹائن نے عام نظریہ اضافیت پیش کیا، جس کے مطابق وقت اور خلا خمیدہ ہیں یعنی کشش ثقل خود وقت اور خلاء کے ڈھانچے کو موڑتی ہے۔

توانائی کے ٹکڑے: ذرات اور موجوں کا سنہری ملاپ

سلور برگ اور ایچن نے سوچا کہ شاید ذرات اور موجیں دونوں ہی توانائی کے بہاؤ کے اندر کی ساختیں ہیں۔ ان کے مطابق:

وہ حصہ جو توانائی کی لائن میں زیادہ مرکوز ہو اور مرکز سے باہر توانائی کم ہوتی جائے، وہ توانائی کا ٹکڑا ہے۔ یہ ٹکڑا ذرات اور موج دونوں ہی کی صفات کا حامل ہوسکتا ہے۔ یعنی جزوی طور پر پھیلا ہوا (موج کی طرح) اور جزوی طور پر مرکوز (ذرے کی طرح)۔

یہ تصور توانائی کو بنیادی جزو کے طور پر پیش کرتا ہے، جس سے ماڈہ اور توانائی دونوں بنے ہوئے ہیں۔

اس نظریے کے سائنسی اطلاقات اور جائزے

مرکری کی مدار کی چھوٹی تبدیلی

آئن اسٹائن نے جنرل ریلیٹی کے ذریعے مرکری کے مدار کے چھوٹے مگر مسلسل تغیر (Precession) کی پیش گوئی کی تھی۔ نئے نظریے میں، سورج کو ایک بڑا توانائی کا ٹکڑا اور مرکری کو ایک چھوٹا توانائی کا ٹکڑا ماڈل کر کے وہی نتائج حاصل ہوئے جو آئن اسٹائن نے پیش کیے تھے۔

روشنی کے خم کا حساب

اسی طرح نئی تھیوری نے روشنی کے خم (یعنی سورج کے قریب سے گزرتی روشنی کا خم کھانا) کے تجرباتی مشاہدات کو بھی حل کیا۔ وہاں سورج کو توانائی کا ٹکڑا سمجھا گیا، اور روشنی (Photon) کو ایک نہایت معمولی توانائی کے ٹکڑے کے طور پر ماڈل کر کے وہی خم حاصل ہوا جو جنرل ریلیٹی نے دیا تھا۔

یہ دونوں مشاہداتی عوامل ثابت کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ نظریہ بالکل متفقہ نہیں ہوا، پھر بھی اس کا اطلاق معروف سائنسی نتائج پر ہوسکتا ہے، جو ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

عالمی پس منظر: دیگر جدید نظریات سے تقابل

سٹرنگ تھیوری اور کوانٹم کشش ثقل

ایک اور معروف نظریہ اسٹرنگ تھیوری ہے، جس کے مطابق کائنات کے بنیادی اجزاء توانائی کی لرزتی اسٹرنگز ہیں جو مختلف حالتوں میں لرز کر مختلف ذرات اور قوتیں پیدا کرتی ہیں۔

اسی طرح Horava–Lifshitz gravity جیسا نظریہ اسپیس ٹائم میں کوانٹم درجے پر وقت اور خلا کے مختلف رویوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

نئی نظریے کا امتیاز یہ ہے کہ وہ توانائی کے بہاؤ کو بنیادی سمجھتا ہے اور ذرات و موجوں کی دوہری فطرت کو ایک ساتھ ضم کرتا ہے، جو روایتی ماڈلز میں واضح طور پر تقسیم ہوتی ہے۔

سائنسی اور فلسفیانہ گہرائی

نئے نظریے کے مطابق توانائی کا تصور محض جوہری قوت نہیں بلکہ سارا طبیعیاتی ڈھانچا ایک مربوط توانائی کے بہاؤ کا نقشہ ہے۔ یہ سوچ ہمیں بتاتی ہے: ذرات وہ نہیں جو نقطہ نما باشندے ہوں بلکہ توانائی کے مستقل بہاؤ میں مستحکم شکلیں ہیں۔

توانائی کبھی نہیں پیدا ہوتی یا ختم ہوتی وہ صرف بہتی ہے۔

وقت اور خلا خود توانائی کے بہاؤ کے اندر معنی پاتے ہیں یعنی وقت کا وجود بھی توانائی کی حرکت کے تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ نظریہ کائنات کی بنیادی حقیقت کو ایک سادہ مگر گہرائی میں معنی خیز فریم ورک میں پیش کرتا ہے، جو فلسفۂ طبیعات کو بھی وسعت دیتا ہے۔

مستقبل کے امکانات اور چیلینجز

تجرباتی جانچ

ابھی تک یہ نظریہ ریاضی اور حسابی ماڈلز میں قابلِ عمل دکھائی دیتا ہے، مگر اسے تجرباتی طور پر ثابت کرنا ایک بڑا چیلینج ہے۔ کوانٹم کشش ثقل، تاریک ماڈہ و انرجی، اور ابتدائی کائنات کے ارتقاء جیسے موضوعات میں اس کی جانچ مستقبل کی تحقیق کا حصہ ہوسکتی ہے۔

سائنسی کمیونٹی کی رائے

ہر نیا نظریہ سائنسی کمیونٹی میں بحث و تمحیص کے بعد اپنا مقام بناتا ہے۔ اس نظریہ پر بھی مختلف ماہرین نے مختلف انداز سے تبصرہ کیا ہے، اور اسے مزید تحقیق اور تجرباتی شواہد درکار ہیں۔

توانائی کے ٹکڑے اور کائنات کی نئی تصویر

یہ نئی تھیوری ہمیں بتاتی ہے کہ کائنات صرف ذرات اور موجوں سے نہیں بلکہ توانائی کے بہاؤ اور ان کی مرکوز شکلوں سے بنی ہے۔ یہ نظریہ کلاسیکی طبیعیات، کوانٹم میکانیات، اور عمومی اضافیت کے درمیان ایک پُل بنانے کی کوشش کرتا ہے ایک ایسی کوشش جس سے سائنسی دنیا میں نئے سوالات اور نئے جوابات جنم لے رہے ہیں۔

اگرچہ ابھی یہ نظریہ روایتی ماڈلز کی طرح ساری دنیا میں مستند نہیں ہوا، مگر اس نے سوچنے کا ایک نیا زاویہ ضرور پیش کیا ہے جس سے قدرت، توانائی، وقت اور خلا کو دیکھا جا سکتا ہے ایسے تناظرات میں جو پہلے کبھی سامنے نہیں آئے۔

ماہنامہ کرائم بیورو کراچی

پی ایس ایل میں 'ملتان سلطانز' کی واپسی

نئی فرنچائز سیالکوٹ سٹالینز کا نام تبدیل کرنے پر علی ترین کا 'شکریہ'

پاکستان سپر لیگ کی نئی فرنچائز سیالکوٹ سٹالینز کا نام تبدیل کرنے سے ٹورنامنٹ میں پھر سے 'ملتان سلطانز' کی واپسی ممکن ہوئی ہے۔

پاکستان سپر لیگ کے چیف ایگزیکٹو آفیسر سلمان نصیر نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ 'گوہر شاہ نے سیالکوٹ سٹالینز کا نام بدلنے کی درخواست کی۔ اس کے بعد سیالکوٹ سٹالینز کا نام بدل کر ملتان سلطانز رکھ دیا گیا'

ان کا کہنا تھا کہ اس معاملے میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ 'چھ ناموں میں سے کوئی ایک نام رکھا جا سکتا ہے۔'

سیالکوٹ سٹالینز کے نام کی تبدیلی کے بعد ملتان سلطانز کے انسٹاگرام اکاؤنٹ پر ایک تشہیری ویڈیو شیئر کی گئی جس میں پہلے ایک گھوڑا دیکھا گیا ہے اور بعد میں پھر اس پر ایک گھڑسوار کو بھی دکھایا گیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ لکھا آتا ہے کہ 'ایک سٹالین کو ہمیشہ ایک سلطان کی ضرورت ہوتی ہے۔'

پاکستان سپر لیگ کے سی ای او سلمان نصیر نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ پی ایس ایل کا پہلا میچ 26 مارچ کو حیدر آباد کنگز مین اور لاہور قلندرز کے درمیان لاہور میں ہوگا اور پی ایس ایل کی افتتاحی تقریب بھی لاہور میں ہوگی۔ لاہور میں ایچ بی ایل پی ایس ایل کے سی ای او کے ساتھ پریس کانفرنس میں گوہر شاہ نے کہا کہ 'میری خواہش تھی کہ ملتان سلطانز پی ایس ایل میں رہے اور یہ میرے لیے بڑا ضروری تھا۔ کرکٹ اس انداز میں کھیلی جائے کہ جو پاکستان کرکٹ کی ضرورت ہے۔'

انسٹاگرام پر ایک پیغام میں ملتان سلطانز کے نئے مالک کا کہنا ہے کہ وہ اس ٹیم پر اتنی محنت کرنے پر ترین فیملی کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری طرف علی ترین نے گوہر شاہ کا شکریہ ادا کیا ہے کیونکہ وہ 'جنوبی پنجاب کے لوگوں کے لیے لڑے اور پی ایس ایل میں ملتان سلطانز کو واپس لائے۔'

'اس شہر کی اب دوبارہ ایک ٹیم ہے۔ جنوبی پنجاب کو دوبارہ اپنی آواز مل گئی ہے۔'

سیالکوٹ سٹالینز کا نام تبدیل کیوں کیا گیا؟

پی ایس ایل کے سی ای او سلمان نصیر نے نئی فرنچائز سیالکوٹ سٹالینز کے لیے کامیاب بولی لگانے والے حمزہ مجید کے ہمراہ لاہور میں ایک پریس کانفرنس کی۔

اس دوران حمزہ مجید کا کہنا تھا کہ پی سی بی اور پی ایس ایل کی منظوری سے ان کی کمپنی اوزی ڈیویلپرز اور سی ڈی وینچرز کے درمیان ایک 'سٹریٹیجک پارٹنرشپ' طے پا گئی ہے۔

سی ڈی وینچرز برطانوی اور پاکستانی شراکت داروں پر مشتمل ایک کمپنی ہے جو سابقہ ملتان سلطانز کی نیلامی کے دوران پہلی مرتبہ پی ایس ایل کی نیلامی کا حصہ بنی تھی۔ تاہم اسے اس وقت کامیابی نہیں ملی تھی۔

مگر اب حمزہ مجید نے کہا کہ 'سی ڈی وینچرز کے گوہر شاہ کے ساتھ ہماری سٹریٹیجک پارٹنرشپ ہو گئی ہے اور گوہر شاہ فرنچائز کے سی ای او ہوں گے۔'

پاکستان سپر لیگ کے چیف ایگزیکٹو آفیسر سلمان نصیر نے پریس کانفرنس کے دوران بتایا کہ 'ملتان سلطانز کی ویلیو بڑھ کر دو ارب روپے سالانہ ہو گئی ہے۔'

ملتان سُلطانز کے نئے سی ای او گوہر شاہ کی جانب سے فرنچائز کے نام کی تبدیلی کے بعد اپنے ایک بیان میں جنوبی پنجاب کے کرکٹ شائقین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ 'مجھے یہ بات آپ سب کو بتاتے ہوئے انتہائی خوشی ہو رہی ہے کہ ہماری ہر دل عزیز ٹیم مُلتان سُلطانز ایک مرتبہ پھر پی ایس ایل میں کم بیک کر رہی ہے۔'

اُن کا کہنا تھا کہ 'آج مجھے اس موقع پر اپنے آبائی علاقے جلال پور پیر والا کے ایک سکول کے میدان میں ہونے والے اُس میچ کی یاد آ رہی ہے کہ جس میں جلال پور پیر والا اور بورے والا کی ٹیمیں مدِ مقابل تھیں۔ میچ کو دیکھنے کے لیے آنے والے شائقین کا جوش اور جذبہ میچ کی آخری بال تک برقرار رہا اور آج تک وہ لمحات میرے ذہن میں موجود ہیں۔'

گوہر شاہ کا مزید کہنا تھا کہ 'فرنچائز کو حاصل کرنے کے میرے دو مقاصد ہیں۔ پہلا یہ کہ کرکٹ سے متعلق اپنی وراثت کو تحفظ فراہم کیا جائے اور دوسرا یہ کہ اس کھیل کو بلند مقام تک پہنچانے کے لیے محنت کی جائے گی۔'

اپنے پیغام کے آخر پر انھوں نے اپنے فینز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ 'اب اس وقت میں ہمیں آپ سب کی سپورٹ یعنی حمایت کی ضرورت ہے۔'

سابقہ ملتان سلطانز جس کا نام راولپنڈی رکھا گیا تھا

یاد رہے کہ پی ایس ایل میں ملتان سُلطانز وہ ٹیم تھی کہ جس کا نام اکثر ہی خبروں میں رہا۔ کبھی مالکان کی تبدیلی کو لے کر تو کبھی ٹیم کے نام کی تبدیلی کی وجہ سے۔

واضح رہے کہ نو فروری کو پی ایس ایل کی فرنچائز ملتان سلطانز کی نیلامی کا عمل مکمل ہوا تھا اور اسے خریدنے والی کمپنی 'ولی ٹیکنالوجیز' نے اسے دو ارب 45 کروڑ روپے میں خریدنے کے بعد اس کا نام تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔

ٹیم خریدنے میں کامیابی کے بعد ٹیم کے نئے مالک اور ولی ٹیکنالوجیز کے چیف ایگزیکٹو احسن طاہر کا کہنا تھا کہ وہ اس ٹیم کا نام بدل کر راولپنڈی رکھ رہے ہیں۔

یہ وہ مرحلہ تھا جس کے بعد پاکستان سپر لیگ سے ملتان سلطانز کا نام غائب ہو گیا تھا۔

ملتان سلطانز اور علی ترین کے درمیان فرنچائز معاہدہ 31 دسمبر کو ختم ہوا تھا۔ پی سی بی نے علی ترین سے فرنچائز فیس 1.1 ارب روپے سے بڑھا کر 1.375 ارب روپے کرنے کا مطالبہ کیا تھا تاہم علی ترین نے اس پر ٹیم چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ آزادانہ ویلیوایشن میں ملتان سلطانز کی قدر تقریباً 85 کروڑ روپے لگائی گئی تھی، جو اس وقت کی مجوزہ فرنچائز فیس سے بھی کم تھی۔

ابتدا میں پی سی بی نے اصولی طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ ٹیم کو ایک سیزن کے لیے خود چلایا جائے گا کیونکہ اسی دوران دو نئی فرنچائزز کی فروخت کا عمل جاری تھا۔ تاہم حیدآباد اور سیالکوٹ کی فرنچائزز کی نیلامی میں غیر معمولی دلچسپی اور توقع سے کہیں زیادہ بولیاں موصول ہونے کے بعد پی سی بی نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی۔

دونوں فرنچائزز بالترتیب ایک ارب 75 کروڑ اور ایک ارب 85 کروڑ روپے میں فروخت ہوئیں، جو نہ صرف بورڈ کے اپنے تخمینوں بلکہ مارکیٹ کی توقعات سے بھی کہیں زیادہ تھیں۔

اب سابقہ ملتان سلطانز کا نام تبدیل ہو کر راولپنڈی رکھا گیا ہے اور پی ایس ایل کی نئی ٹیم سیالکوٹ سٹالینز کا نام بدل کر ملتان سلطانز رکھ دیا گیا ہے۔

تاہم اب تک یہ واضح نہیں کہ آیا نئی ملتان سلطانز کے ساتھ بھی علی ترین کی کوئی وابستگی ہو گی۔

CRIME STOPPERS

CRIME SCENE DO NOT CROSS

آغا عبدالرشید

(ایس ایچ او ملیر کینٹ پولیس اسٹیشن)

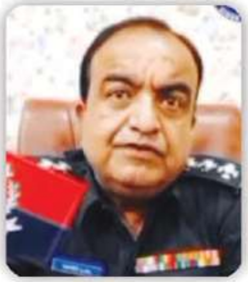

نندلال داس

(ایس ایچ او ڈاکس پولیس اسٹیشن)

نواز علی زرداری

(ایس ایچ او نبی بخش پولیس اسٹیشن)

سب انسپکٹر بھائی خان

(ایس ایچ او میٹھادر پولیس اسٹیشن)

Hamdard
رمضان مبارک
Hamdard
روح افزا
Rooh Afza